ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

49

www.tanzeem.org

18 تا 24 دسمبر 2012ء / 4 تا 10 صفر المظفر 1434ھ

اقامتِ دین، جدوجہد ناگزیر ہے

یہ دین جدوجہد اور جہاد کے بغیر ہرگز قائم نہیں ہوسکتا۔ یہ دائمی جدوجہد عمل اور مقابلہ چاہتی ہے۔ اس کے لیے قربانی دینے والے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو لوگوں کو اس کی طرف لانے کی سعی و جہد کریں، انہیں غیر کی عبادت سے نکال کر ایک اللہ کی عبادت کی طرف لائیں، زمین میں اللہ کی الوہیت قائم کرنے کی کوشش کریں، جن لوگوں نے اللہ کے اقتدار کو غصب کیا ہے ان سے اسے واپس حاصل کریں، اور خدا کے حوالے کریں، لوگوں کی زندگیوں میں اللہ کی شریعت کو قائم کریں اور لوگوں کو اللہ کے قانون پر قائم کریں۔ اس مقصد کے لیے جدوجہد ضروری ہے۔ اگر انفرادی طور پر لوگ گمراہ ہوں اور ارشاد و رہنمائی کے محتاج ہوں تو انہیں بہتر رہنمائی مہیا کریں۔ اگر کوئی باغی قوت حق کا راستہ روک رہی ہو تو اسے قوت سے درست کریں یا راستے سے ہٹادیں، تاکہ دین قائم ہوسکے اور خدا کا قانون برپا ہوسکے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

''بے شک ان وعدوں کے بارے میں پوچھا جائے گا''

مؤمنین کے اوصاف
سورۃ المومنون کی آیات کی روشنی میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!

مشاہیر اسلام کے آخری لمحات

کالاباغ ڈیم
وقت کی اہم ترین ضرورت

حضرت صہیب رُومی رضی اللہ عنہ

سقوطِ ڈھاکہ اور تاریخ کا سبق

سورۃ یوسف

(آیات:58 تا 64)

الھدیٰ (541)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ
اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ
لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ
مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ
حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

آیت 58 ﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ ’’اور آئے یوسفؑ کے بھائی اور آپؑ کے سامنے پیش ہوئے‘‘

﴿فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ’’تو آپؑ نے انہیں پہچان لیا مگر وہ آپؑ کو نہیں پہچان پائے۔‘‘

ان حالات میں یہ امکان ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عزیز مصر جس کے دربار میں اُن کی پیشی ہو رہی ہے وہ ان کا بھائی یوسف ہے۔

آیت 59 ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ﴾ ’’پھر جب آپؑ نے اُن کا سامان تیار کروا دیا تو فرمایا کہ (آئندہ) اپنے اس بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا جو تمہارے والد سے (تمہارا بھائی) ہے۔‘‘

غلہ چونکہ راشن بندی کے تحت دیا جاتا تھا اس لیے انہوں نے درخواست کی ہو گی کہ ہمارا ایک بھائی اور بھی ہے اس کے اہل خانہ بھی ہیں اسے ہم اپنے والد کی خدمت کے لیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں اُس کے حصے کا غلہ بھی ہمیں دے دیا جائے۔ اس سلسلے میں سوال و جواب کے دوران انہوں نے یہ بھی بتایا ہو گا کہ ہم دس حقیقی بھائی ہیں جبکہ وہ گیارہواں بھائی باپ کی طرف سے سگا لیکن والدہ کی طرف سے سوتیلا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے یہ سارا ماجرا سننے کے بعد فرمایا ہو گا کہ ٹھیک ہے میں آپ کے گیارہویں بھائی کے حصے کا اضافی غلہ تم لوگوں کو اس شرط پر دے دیتا ہوں کہ آئندہ جب تم لوگ غلہ لینے کے لیے آؤ گے تو اپنے اس بھائی کو ساتھ لے کر آؤ گے تا کہ میں تصدیق کر سکوں کہ تم لوگوں نے غلط بیانی کر کے مجھ سے اضافی غلہ تو نہیں لیا۔

﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ’’کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور بہترین مہمان نوازی کرنے والا بھی ہوں!‘‘

آیت 60 ﴿فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾﴾ ’’اور اگر تم اُسے میرے پاس لے کر نہیں آؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہے اور تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔‘‘

آیت 61 ﴿قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ’’انہوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد کو آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم یہ ضرور کر کے رہیں گے۔‘‘

آیت 62 ﴿وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ﴾ ’’اور یوسفؑ نے اپنے نوجوانوں سے کہا کہ ان کی پونجی (بھی واپس) اُن کے کجاووں میں رکھ دو‘‘

اس زمانے میں چیزوں کے عوض ہی چیزیں خریدی جاتی تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ بھی اپنے ہاں سے کچھ چیزیں (بھیڑ بکریوں کی اون وغیرہ) اس مقصد کے لیے لے کر آئے تھے اور غلے کی قیمت کے طور پر اپنی وہ چیزیں انہوں نے پیش کر دی تھیں۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ملازمین کو ہدایت کر دی کہ جب ان کے کجاووں میں گندم بھری جائے تو ان لوگوں کی یہ چیزیں بھی جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر ادا کی ہیں چپکے سے واپس ان کے کجاووں میں ہی رکھ دی جائیں۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ’’تا کہ وہ پہچانیں ان کو جب لوٹیں اپنے اہل و عیال کی طرف شاید کہ (اس طرح) وہ دوبارہ آئیں۔‘‘

آیت 63 ﴿فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ﴾ ’’پھر جب وہ لوٹے اپنے والد کے پاس تو کہنے لگے: ابا جان! ہم سے (ایک) پیمانہ روک لیا گیا ہے‘‘

یعنی انہوں نے آئندہ کے لیے ہمارے چھوٹے بھائی کے حصے کا غلہ روک دیا ہے اور وہ تبھی ملے گا جب ہم اس کو وہاں لے کر جائیں گے۔

﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ’’تو (آئندہ) ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجئے گا تا کہ ہم (اس کے حصے کا بھی) غلہ لے کر آئیں اور ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔‘‘

آیت 64 ﴿قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ’’یعقوبؑ نے فرمایا کہ کیا میں اس کے بارے میں اسی طرح تم پر اعتبار کر لوں جیسے میں نے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں پہلے تم پر اعتبار کیا تھا؟‘‘

﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ’’(ویسے تو) اللہ ہی بہترین محافظ ہے اور وہی تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔‘‘

ادا ریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’’بے شک ان وعدوں کے بارے میں پوچھا جائے گا‘‘

گزشتہ سال 27 دسمبر کو پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن اور پاکستان کی وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی برسی پر ان کے خاوند اور پاکستان کے موجودہ صدر آصف علی زرداری نے ایک پُر جوش تقریر کی۔ انہوں نے ملک کی داخلی سیاست اور اپنے سیاسی حریفان کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اس تقریر کا وہ حصہ انتہائی حیران کن تھا جو انہوں نے خارجی معاملات کو زیر بحث لاتے ہوئے امریکہ کا نام لیے بغیر پاک ایران تعلقات خصوصاً پاکستان ایران گیس پائپ لائن کے حوالہ سے امریکہ پر زبردست تنقید کی تھی، ان کا لہجہ بڑا تیکھا اور انداز بڑا طنزیہ تھا۔ خود سننے کے باوجود اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے انتہائی پر جوش انداز میں کہا:

> ’’ہمیں کوئی یہ نہ بتائے کہ ہم کس سے تجارت کریں اور کس سے نہ کریں۔ ہم آزاد ملک کی حیثیت سے صرف اپنے ملک کے مفادات کو دیکھیں گے۔ انہیں ان کے مفادات مبارک ہوں۔ ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ ہمارے بچے، ہماری آنے والی نسلیں کس طرح محفوظ ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی ہمیں کوئی کسی جنگ میں گھسیٹے اور نہ ہی ہم کسی نئی جنگ کا حصہ بننے کے لیے تیار ہیں۔ ہم اس خطہ کو پُر امن خطہ بنانا چاہتے ہیں‘‘۔

یاد رہے، گزشتہ سال ان دنوں میں امریکہ کے ایران پر حملے کی باتیں دنیا بھر میں خصوصاً امریکی ذرائع سے بہت پھیلائی جارہی تھیں۔ ہم حیران تھے، امریکہ کے بارے میں یہ اندازِ گفتگو ہمارے بڑے بڑے جغادری لیڈران بھی نہ اپنا سکے سوائے ان ہی صاحب کے سسر یعنی ذوالفقار علی بھٹو۔ وہ بھی صرف اپنے اقتدار کے آخری ایام میں جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ امریکہ ان کی حکومت ختم کرنے کا پختہ ارادہ کر چکا ہے۔ بہرحال ایک سال کے دوران پاکستان اور ایران کے درمیان گیس پائپ لائن مذاکرات امریکی مخالفت کے باوجود مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ایران نے اس پائپ لائن کے حوالہ سے پاکستان کو مالی امداد کی پیش کردی تھی۔ گزشتہ ہفتہ صدر زرداری کا ایران کا دورہ طے ہوگیا جس میں حتمی مسودہ پر دوطرفہ دستخط ہونا تھے۔ تمام معاملات فائنل ہو چکے تھے، حتیٰ کہ زرداری صاحب کے پروٹوکول اور ہوائی اڈے پر استقبال کی تیاریاں بھی مکمل ہو چکی تھیں۔ زرداری صاحب کی گزشتہ سال کی معرکۃ الآرا تقریر کو سال مکمل ہونے میں ابھی تین ہفتے باقی تھے، لیکن زرداری صاحب نے تھوکا ہوا چاٹ لیا اور اچانک ایران کا دورہ منسوخ کر کے ملالہ کی عیادت کرنے اور ملالہ فنڈ میں ایک کروڑ ڈالر کا عطیہ دینے کے لیے لندن پہنچ گئے۔

یہ ہیں ہماری وہ کرتوتیں جن کی بنا پر آج دنیا بھر میں پاکستان قابلِ نفرت ریاست بنی ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کو کس کتے نے کاٹا تھا کہ آپ ٹیلی ویژن پر اس قسم کی انہونی باتیں کریں اور یوں بڑھک بازی کا مظاہرہ اُس ملک کے خلاف کریں جس کی غلامی کا طوق ہم نے ایک عرصہ سے بڑے فخر یہ انداز میں اپنی گردن میں ڈالا ہوا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ پاکستان اس وقت شدید ترین انرجی بحران سے دوچار ہے اور جتنی سستی گیس ہمیں ہمسایہ ملک ایران سے مل سکتی ہے کسی دوسرے ملک سے درآمد کی گئی گیس اس سے کہیں مہنگی ملے گی۔ پھر پیسے ہوں گے تو ملے گی۔ اس گیس پائپ لائن کے لیے سرمایہ کاری کرنے کے لیے ایرانی حکومت واضح اعلان کر چکی تھی۔ ہم کسی نفع نقصان کی بحث میں بھی نہیں پڑتے کہ گزشتہ 65 سال میں ہمارے سابق اور موجودہ حکمرانوں نے کب ملک اور قوم کے معاشی فوائد کو مدنظر رکھا تھا جس کی آج ہم اس

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

18 تا 24 دسمبر 2012ء — جلد 21
4 تا 10 صفر المظفر 1434ھ — شمارہ 49

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
’’مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن‘‘ کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

’’ادارہ‘‘ کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

موجودہ اور فرسودہ حکومت سے توقع رکھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ کو کسی اور چیز کی پروا نہیں تو خدارا یہ تو دیکھئے کہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے آپ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر ہیں، آپ کی اس کھلم کھلا بدعہدی کی ضرب کہاں تک لگے گی۔ پہلے بھی آپ کا یہ جملہ کہ وعدہ کون سا قرآن وحدیث ہوتا ہے کہ اس کو توڑا نہیں جاسکتا، ایک دنیا کے لیے ضرب المثل بنا ہوا ہے۔

ایران اور امریکہ کا ذکر آ ہی گیا ہے تو ہم بھی بین الاقوامی پس منظر میں ان دو ممالک کے تعلقات کے حوالہ سے اپنا نقطۂ نظر قارئین تک پہنچا دیں۔ ہمارے نزدیک ان دونوں ممالک کے درمیان دوستی نہ سہی اچھے تعلقات دونوں کے مفاد کا تقاضا ہے اور ہماری رائے میں دونوں اس تقاضے کو خوب سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان دو ممالک کے درمیان کسی جنگ کا کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ دونوں ممالک کے درمیان صرف اور صرف ایک حقیقی تنازعہ ہے اور وہ ہے ایران کا ایٹمی پروگرام۔ اس اختلاف کے علاوہ باقی تمام معاملات میں ان کے مابین مفاہمت ہی نہیں اچھے تعلقات کی بہت سی بنیادیں موجود ہیں۔ ایٹمی پروگرام بھی امریکہ کو صرف اسرائیل کی وجہ سے کھلتا ہے، کیونکہ وہ اس پروگرام کو اپنی سلامتی کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں کا جغرافیائی لحاظ سے فاصلہ زیادہ نہیں ہے اور ایران میں کسی وقت ایسی جماعت یا شخصیت برسراقتدار آ سکتی ہے جو حقیقتاً اسرائیل کی دشمن ہو۔ اب ہم ایران اور امریکہ کے باہمی مفادات کو زیر بحث لاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایران اور سعودی عرب میں دشمنی ہے۔ امریکہ کے سعودی عرب میں بے شمار مفادات ہیں۔ وہ ایران سعودی عرب دشمنی کو اپنے حق میں استعمال کرتا ہے اور سعودی عرب کو ہر دوسرے روز ایران کا ہوّا دکھا کر انتہائی سستے داموں اپنے مفادات حاصل کرتا ہے۔ امریکہ سعودی عرب کو ڈرانے کے لیے ایران کو متحرک دیکھنا چاہتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ ایران افغانستان کی اصل قوت اور وہاں کے مستقبل کے حکمران افغان طالبان کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ امریکہ کی بھی ان سے دشمنی ہے۔ امریکہ کسی صورت افغان طالبان کو افغانستان کی اصل قوت اور مستقبل کا حکمران تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ اِس حوالہ سے بھی مفاد یکساں ہیں۔ عرب امارات میں بہت سے اہل تشیع ہیں۔ ایران ہمیشہ ان کی پشت پناہی کرتا ہے۔ لہٰذا ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران بھی ایران کے خلاف امریکہ کی پناہ حاصل کرنا اپنے تحفظ کی ضمانت سمجھتے ہیں۔ گویا مشرق وسطیٰ کے قُرب میں واقع ایران امریکی مقاصد کی تکمیل کے لیے انتہائی موزوں ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ امریکہ اگر ایران کے وجود کو اپنے لیے اتنا ہی مفید سمجھتا ہے تو ہر وقت sanctions کی تلوار اس کے سر پر کیوں لٹکائے رکھتا ہے اور اس کا معاشی بائیکاٹ کرتا رہتا ہے۔ پاک ایران گیس لائن کی مخالفت بھی درحقیقت ایران کو معاشی لحاظ سے نقصان پہنچانے کی ایک کوشش ہے۔ وہ اسے دنیا میں معاشی طور پر تنہا کیوں کرنا چاہتا ہے؟ اس حوالہ سے عرض یہ ہے کہ امریکہ ایران کے ذریعے مسلمان ممالک کو کنٹرول تو کرنا چاہتا ہے لیکن یہ بھی نہیں چاہتا کہ ایران معاشی اور عسکری لحاظ سے اس قدر مستحکم ہو جائے کہ مسلمان ممالک سعودی عرب، مصر اور پاکستان سے نگاہیں ہٹا کر ایران کو اپنا لیڈر بنانے کا سوچنے لگیں۔ اس لیے کہ جہاں تک شیعہ سنی اختلافات اور عقائد کے فرق کا تعلق ہے مسلمان ممالک کے لیڈروں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا اصل مسئلہ اپنا اقتدار ہے۔ وہ اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے بہت کچھ چھوڑ سکتے ہیں اور بہت کچھ قبول کرنے کو تیار ہو سکتے ہیں۔ امریکہ جانتا ہے کہ تیل و گیس کے وسیع ذخائر رکھنے والا ایران معاشی ''جن'' بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور آج دنیا نے عملی طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ جس کی معیشت اچھی اس کا سب کچھ اچھا۔ لہٰذا امریکہ ایران کو اس سطح پر رکھنا چاہتا ہے کہ وہ اس سے آسانی کے ساتھ سنّی دنیا کو خوفزدہ کرنے کا کام لے سکے۔ امریکہ ایران اور پاکستان کے تعلقات میں بھی دراڑ ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے کیونکہ پوسٹ امریکہ یعنی 2014ء کے بعد افغانستان کوئی بھی صورت اختیار کرسکتا ہے اور PIA کے نام سے (Pakistan-Iran-Afghanistan) کوئی اتحاد وجود میں آ سکتا ہے جو علاقے میں امریکی ایجنڈے کے راستے میں حائل ہو سکے۔ گویا امریکہ کا اصل ایجنڈا اس وقت یہ ہے کہ مسلمان ممالک کو آپس میں لڑایا جائے۔ انہیں کمزور کرنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان ملک یا ممالک کے خلاف ایران کو ہوّا بنا رہا ہے تو کہیں ایران پر معاشی پابندیاں لگا کر اسے بھی کینڈے میں رکھنا چاہتا ہے۔ آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ دنیا خصوصاً عیسائی دنیا یہودیوں کی سرپرستی میں امت مسلمہ کے خلاف متحد ہو رہی ہے اور مسلمان ممالک آپس میں دست وگریبان ہو کر خود کو کمزور کر چکے ہیں اور وطن عزیز پاکستان کا معاملہ یہ ہے کہ سیاسی اور معاشی لحاظ سے اس کے پلّے پہلے ہی کچھ نہ تھا اور اب اخلاقی لحاظ سے بھی اسفل سافلین کی قطار میں سرفہرست نظر آ رہا ہے۔ قوم کیا قوم کا سردار ہی بھولا ہوا ہے کہ اللہ ربّ العزت اپنی آخری کتاب میں فرماتا ہے: ترجمہ ''بے شک ان وعدوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (بنی اسرائیل:34)

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ تعالیٰ ''مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور'' میں

25 دسمبر 2012ء (بروز منگل صبح 10 بجے)

توسیعی مشاورت

کا انعقاد ہو رہا ہے

☆ اظہار خیال کے لئے رفقاء ناظم اعلیٰ کو مطلع فرما کر 11 بجے سے قبل اپنی موجودگی کا اہتمام فرمائیں۔

☆ اجلاس میں شرکت سے قبل رفقاء کی رہنمائی کے لئے تنظیم اسلامی کے نظام العمل کی شق نمبر 9.3.4 کا مطالعہ مناسب ہوگا۔

المعلن: ناظم اعلیٰ (042)36316638-36366638

مومنین کے اوصاف

سورۃ المؤمنون کی آیات 51 تا 69 کی روشنی میں

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 07 دسمبر 2012ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد:]

پچھلے جمعہ سورۃ المومنون کے چوتھے رکوع کی آیات 57 تا 65 ہمارے زیر گفتگو رہیں۔ میں نے ابتدائی آیات رکوع کی چھوڑ دی تھیں، آج کوشش کروں گا کہ ابتدائی آیات کو شامل کرتے ہوئے رکوع مکمل کرلوں۔ سورۃ المومنون بنیادی طور پر مکی سورت ہے۔ اور مکی سورتوں کے موضوعات توحید، رسالت اور آخرت ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ڈھائی ہزار سالوں میں کوئی رسول اور نبی نہیں آیا تھا۔ مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جدامجد تسلیم کرتے تھے اور ان کی تعلیمات کا کچھ نہ کچھ حصہ یعنی حج اور نماز جیسی عبادات اپنی بگڑی ہوئی شکلوں میں موجود تھیں۔ ڈھائی ہزار سال میں زوال تو بہت آیا۔ لیکن وہ فخر کرتے تھے کہ ہم ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ چنانچہ نبوت و رسالت سے بالکل وہ نابلد نہیں تھے۔ دوسری طرف وہاں پر یہود و نصاریٰ تھے۔ یہودی سمجھتے تھے کہ ہم ہیں اصل میں اہل کتاب، بے شمار رسول ہم میں آئے ہیں، کتابیں ہمارے پاس ہیں۔ جبکہ نصاریٰ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بعد میں آئے اور ان کی نبوت کو ہم نے تسلیم کیا تو ہم اصل دین ابراہیمی پر ہیں۔ بہر حال اس تناظر میں سورۃ المومنون کے چوتھے رکوع میں فرمایا جارہا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (51)﴾

"اے پیغمبرو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں۔"

تمام رسولوں کے ذریعے انسانوں کو یہی تلقین کی گئی تھی کہ طیب اور پاک غذا کھائیں اور نیک عمل کریں۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔ اس میں وہ بات بھی ہے کہ جس شخص کے معاش کے اندر حرام شامل ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ معیشت کا حرام سے پاک ہونا دین توحید کی سب سے اہم تعلیم ہے۔ بہر حال یہ بات تمام رسولوں کی تعلیمات میں مشترک تھی۔ اسی حوالے سے آگے فرمایا:

﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (52)﴾

"اور یہ تمہاری جماعت (حقیقت میں) ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو مجھ سے ڈرو۔"

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک تمام رسولوں کی تعلیمات کا حاصل ایک ہی تھا۔ ان کا دین ایک ہی تھا اس لیے کہ سب کے سب اللہ کے بھیجے ہوئے تھے اور اسی کا پیغام نوع انسانی تک پہنچانے آئے تھے۔ ابتدا سے دین توحید کی بنیادی تعلیمات یہی ہیں کہ ایک اللہ کو پہچانو، وہی رب ہے، مالک ہے، وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ اس کے ساتھ دوسری بہت بڑی حقیقت دین کی تعلیم کا حصہ ہے وہ یہ کہ تم دنیا میں امتحان کے لیے بھیجے گئے ہو، اس امتحان کا رزلٹ موت کے بعد اناؤنس ہوگا۔ یہ زندگی موت تک امتحانی وقفہ ہے۔ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، وہ زندگی ابدی ہے، اس حقیقت کو پہچانو۔ تمام رسول یہی بات کہتے آئے کہ نیک عمل کرو اور برائیوں سے باز آؤ۔ حقوق اللہ ادا کرو اور حقوق العباد میں کوئی کوتاہی نہ کرو۔ سب کا ایک ہی دین، ایک ہی پیغام تھا، ہاں عبادات کی تفصیلات میں فرق رہا ہے۔ ورنہ ایک ہی دین ہے، ایک ہی جماعت ہے۔ اللہ کا تم سب سے یہی مطالبہ ہے کہ اسے اپنا رب تسلیم کرو اور اسی کا تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن مجید میں اس کی بار بار تکرار ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝﴾ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔" ہر رسول نے اپنی قوم کو یہی پیغام دیا کہ تمہیں یہاں بندے کی حیثیت سے رہنا ہے۔ بندگی کے تقاضے پورے کرو گے تو ابدی زندگی میں تمہارے لیے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں۔ اور اگر اس امتحان میں ناکام ہوئے تو پھر جہنم کی شکل میں بدترین سزا اور عذاب ہے۔ لہٰذا اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری (یعنی رسول کی) اطاعت کرو۔ پہلے تو یہ ہوتا رہا کہ مختلف اقوام کی طرف اللہ نے مختلف رسول اور نبی بھیجے۔ نبی اکرم ﷺ کی رسالت پوری نوع انسانی کے لیے ہے۔ اب واقعتاً کوئی اُمت ہے تو وہ ایک ہی ہے، یعنی امت مسلمہ اور دین ہے تو ایک ہی یعنی دین اسلام ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾

اب جو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو مانے گا وہی دین توحید کا پیروکار ہوگا۔ دین میں اختلاف اور تفرقے کی گنجائش نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ لیکن تفرقہ میں پڑنے والوں کا گمان ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (53)﴾

"پھر انہوں نے آپس میں اپنے کام کو متفرق کر کے جدا جدا کر دیا، جو چیز جس فرقے کے پاس ہے وہ اس سے خوش ہو رہا ہے۔"

شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ "پھر پھوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے۔" دین تو ہمیشہ سے ایک ہی تھا، لیکن بعد میں لوگوں نے پھوٹ ڈال دی کہ ہم فلاں نبی کے ماننے والے ہیں فلاں کو نہیں مانتے۔ اسی پھوٹ کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ کل دین ایک تھا لیکن اس دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کوئی کہہ رہا ہے کہ بس عبادات اصل شے ہیں، کوئی کہہ رہا ہے حقوق العباد اصل شے ہیں، کوئی کہہ رہا ہے اخلاقی معاملات سب سے

اہم ہیں۔ کوئی بنیادی باتوں کو مان رہا ہے، لیکن دینی فرائض کے وسیع تر تصور کا انکاری ہے۔ بہر حال سابقہ مذاہب کے لوگوں کو بعد میں آنے والے نبی اور رسول کو بھی ماننا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہ ہوا جس کے نتیجے میں الگ الگ مذاہب بن گئے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہود و نصاریٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا بھی اقرار کرتے اور اللہ کی آخری ہدایت کو تسلیم کرتے لیکن نہیں کر رہے، کیوں؟ یہ آپس کی ضد بازی ہے۔ ہر گروہ اپنے مذہب اور فرقہ پر نازاں ہے۔ اپنی اپنی جگہ خود کو حق سمجھ رہا ہے۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ﴾

''اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی رستے پر نہیں۔''

یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں، اصل دین ہمارے پاس ہے اور ہم جنت میں جائیں گے جبکہ نصاریٰ بھی یہی کہتے ہیں:

﴿ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (113)﴾ (البقرہ)

''اور عیسائی کہتے ہیں یہودی رستے پر نہیں۔ حالانکہ وہ کتاب (الٰہی) پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بالکل انہیں کی سی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اللہ قیامت کے دن اس کا ان میں فیصلہ کر دے گا۔''

عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہود کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں ہے، اصل میں جنت ہمارا حق ہے۔ اسی قسم کی بات اہل عرب بھی کہتے تھے جن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی اور جو کسی رسول کے پیروکار نہیں تھے۔ وہ بھی کہتے تھے کہ ان کے سوا سب غلط ہیں۔ یہ ہے انسان کی ضد بازی اور ہر کوئی اپنے اس خیال پر نازاں ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یہ مفہوم تو وسیع تر تمام مذاہب کے حوالے سے ہے۔ لیکن اس وقت صورتحال کیا ہے کہ ہم مسلمانوں نے بھی دین کے حصے بخرے کر لیے اور ہر طبقہ اپنے حصے پر نازاں ہے کہ یہ اصل دین ہے جو میں نے پکڑا ہوا ہے۔ کل دین جامعیت کے ساتھ کہیں بھی نظر نہیں آتا، الا ماشاء اللہ۔ آج امت مسلمہ کے زوال، انحطاط اور پستی سے دوچار ہونے کی یہی وجہ ہے۔ اگر امت نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھاما ہوتا، ایمان کے تقاضے پورے کیے ہوتے تو اللہ کا وعدہ ہے:

﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (139)﴾ (آل عمران)

''اور اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔''

یہ اللہ کا وعدہ تھا۔ لیکن آج معاملہ اس کے برعکس کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم نے دین کے حصے بخرے کر لیے۔ اپنے اپنے حصے پر نازاں ہیں، کسی اور کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ یہ آج ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے۔

﴿ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ (54)﴾

''تو ان کو ایک مدت تک ان کی غفلت ہی میں رہنے دو۔''

اگر یہ حق پر نہیں آتے اور اب اللہ کا آخری پیغام، آخری کلام نازل ہو رہا ہے تب بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو ان کو چھوڑیئے ان کے لیے عذاب کا وقت طے ہے۔ اللہ نے ہر ایک کے لیے ایک وقت طے کر رکھا ہے جب وہ اپنا وقت پورا کر کے اللہ کے حضور حاضر ہو جائے گا، پھر سب معاملات اس کے سامنے آ جائیں گے اور اسے اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اگلی آیت میں ارشاد ہے:

﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ (55)﴾

''کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں۔''

خاص طور پر اہل کفر جو اس وقت بظاہر پھل پھول رہے ہیں، انہیں اس فراوانی کے باعث یقین ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ ایک شخص کافر ہے تو اس کو اولاد نہیں دینی، یا ایک شخص اللہ کا منکر ہے تو اس کو رزق نہیں دینا، اللہ کی رحمت کا ایک حصہ سب کے لیے ہے۔ چونکہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں اللہ تعالیٰ سب کو بنیادی ضروریات، مال و دولت اور اولاد وغیرہ دے رہا ہے آزمانے کے لیے، لیکن اس میں تفریق اس بنیاد پر نہیں کرتا کہ یہ مسلمان ہے اور یہ کافر ہے۔ یہ دستر خوان سب کے لیے کھلا ہے۔ چنانچہ اہل ثروت سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں، اسی لیے ہم پھل پھول رہے ہیں۔ یہ غلط فہمی ان اقوام کو بھی ہو جاتی ہے جو باطل پرست ہیں، چنانچہ وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (56)﴾

''(تو ان سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔''

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بھلائیاں اور خیر ان کے حق پر ہونے کی دلیل ہے در حقیقت انہیں شعور نہیں ہوتا۔ وہ اصل حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں کہ یہ سب امتحان کے لیے ہیں۔ اس کے برعکس اہل ایمان کا طرز عمل کیا ہوتا ہے، فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (57)﴾

''جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں۔''

(یہاں سے ان آیات کا آغاز ہو رہا ہے جن کا ترجمہ میں نے پچھلی مرتبہ کیا تھا) اللہ کے نزدیک حق پر کون لوگ ہیں، رسولوں کے سچے ماننے والے کون ہیں؟ وہ لوگ کہ جو اپنے رب کے خوف سے، ہیبت سے کانپتے رہتے ہیں، ان کی کیفیت تو یہی ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت خائف رہتے ہیں کہ حق بندگی ادا نہیں ہو رہا، ہم سے کہیں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے، کسی تساہل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول نہ لے لیں۔ بندۂ مومن بجا طور پر سمجھتا ہے کہ اللہ کی بندگی کے تقاضوں کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ ع ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' ایک حدیث کی رو سے نبی اکرم ﷺ 70 مرتبہ روزانہ استغفار فرمایا کرتے تھے۔ جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ سو مرتبہ استغفار فرمایا کرتے تھے۔ یہی ایک بندۂ مومن کی دلی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ عمل کر کے بھی اس پر فخر نہیں کرتا بلکہ ڈرتا رہتا ہے کہ کوئی کمی نہ رہ گئی ہو۔ اگلی آیت میں اہل ایمان کی دوسری صفت بیان ہوئی:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (58)﴾

''اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

اللہ کی طرف سے انسان کے لیے سلسلۂ ہدایت حضرت آدمؑ سے شروع ہو گیا تھا اور یہ نبی اکرم ﷺ تک چلتا رہا۔ اللہ کے سچے بندے وہی ہیں جو اللہ کی آیات پر، آسمانی وحی پر جو کامل شکل یعنی قرآن کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے، اس پر گہرا یقین رکھنے والے ہیں، اس کے ساتھ ایک دلی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی اگلی صفت بیان ہوئی:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ (59)﴾

''اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔''

ان کا پختہ ایمان ہوتا ہے کہ رب ایک ہے، وہی مالک ہے، وہی خالق ہے، وہی رازق ہے، وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ وہ کسی اور کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرتے وہ صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں ان کا توکل، ان کا بھروسا ہے اسی ایک ذات پر ہوتا ہے۔ یہ اصل میں ایمان کا حاصل ہے۔ ایمان کا ایک اور ثمرہ اگلی آیت میں بیان ہو رہا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى

﴿رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (60)﴾

''اور جو دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

انہیں جو مال اللہ نے دیا اس پر خزانے کا سانپ بن کر نہیں بیٹھتے۔ انہیں معلوم ہے کہ اس مال کے ذریعے میں غریبوں کی مدد کر کے اللہ کو راضی کر سکتا ہوں۔ اللہ کے دین کی خدمت میں اس مال کو لگا کر وہ اسے اپنی آخرت اور اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اصل گھر آخرت ہے، یہاں جو کچھ جمع کروں گا وہ تو ورثا کے کام آئے گا۔ جیسے آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال'' (اس کے اندر تکبر پیدا ہوتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، یہ میں نے کمایا ہے۔ اس پر اختیار میرا ہے، لیکن اس کا اصل مال کیا ہے) فرمایا: ''اس کا اصل مال اتنا ہی ہے جو اس نے کھا پی لیا یا لباس کی شکل میں اس کو پہن کے بوسیدہ کر لیا، باقی سارا کچھ تو وارثین کا ہے۔'' وہ اپنے ساتھ کچھ نہیں لے کر جائے گا، خود اپنی ذات پر بھی کتنا لگائے گا، کتنا کھالے گا، کتنا پہن لے گا لیکن ہوس ختم نہیں ہوتی۔

اس میں ایک بات اور بھی نوٹ کر لیجیے کہ اگر ایک شخص صاحب نصاب ہے تو وہ اپنے مال میں سے ایک معین مقدار لازماً ہر سال اللہ کی راہ میں زکوٰۃ کے طور پر دے گا۔ لیکن جو صاحب نصاب نہیں ہے ظاہر ہے اس وقت پاکستان کی عظیم اکثریت صاحب نصاب نہیں ہے، کیا وہ انفاق نہیں کریں گے؟ انہیں بھی تو اپنی آخرت بنانے کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔ ان کے لیے تعلیم یہ ہے کہ وہ اپنی بساط کے مطابق خرچ کریں۔ کوئی ضرورت مند سامنے ہے تو اس کی مدد کرنی چاہیے۔

اصل میں جذبہ یہ چاہیے کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں دُوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن اس کے ساتھ مطلوب ہے کہ یہ سب کرنے کے باوجود ان کے دل کانپتے ہیں، لرزتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کے پاس لوٹنا ہے اور حساب دینا ہے۔ یہ ایمان کی نشانی ہے، اگر سچا ایمان ہوگا تو سب کچھ کرنے کے باوجود بھی انسان یوم حساب کے خیال سے خائف رہے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا معاملہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نزع کے عالم میں مضطرب ہیں۔ ان کے بیٹے اور دوسرے صحابہؓ سب تسلی دے رہے ہیں کہ آپؓ کی دین کے لیے خدمات کے پیش نظر امید ہے کہ اللہ فضل فرمائے گا، پھر آپؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر میں برابر سرابر بھی چھوٹ گیا تو اللہ کا بہت بڑا کرم ہوگا۔ یہ اصل میں سچے ایمان کی نشانی ہے۔ یہ نہیں کہ مطمئن ہیں کہ بس جنت ہمارے لیے ہی ہے اور دوسروں کے بارے میں گمان ہے کہ یہ تو جہنم میں جا رہے ہیں۔ یہ طرز عمل اور سوچ بالکل غلط ہے۔ ہو سکتا ہے ایک شخص جنت کے رستے پر جا رہا ہے اور اچانک قدم ڈگمگا جائے۔ لہٰذا ہر شخص کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں میں صراط مستقیم سے ڈی ریل نہ ہو جاؤں۔ کہیں شیطان کا کوئی وار مجھ پر کارگر نہ ہو جائے۔ کہیں دنیا کی محبت مجھ پر غالب نہ آجائے، اور یہ لوگ کہ جو آخرت سے غافل ہیں، ہو سکتا ہے ان کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے اور یہ کامیاب ہو کر جنت میں پہنچ جائیں، جبکہ ہمارا حساب سخت ہو رہا ہو۔

چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ (61)﴾

''یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ان میں آگے نکل جاتے ہیں۔''

قرآن کی رُو سے خیر اور نیکی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنے والے عقل مند ہیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک عقلمند وہ ہے جو اپنی ابتدائی زندگی میں سختی بھی برداشت کر لے اور محنت کر کے اپنا مستقبل سنوار لے۔ ہم اپنے بچوں کو بھی یہی بتاتے ہیں کہ اس وقت ذرا محنت کر لو اور اپنے آپ کو پابند رکھو تو مستقبل بن جائے گا۔ حالانکہ اصل مستقبل آخرت ہے۔ یہ دنیا تو امتحان گاہ ہے۔ زندگی کے آخری سانس تک آپ امتحانی وقفہ میں ہیں۔ نتیجہ وہاں نکلنا ہے، اصل فیوچر وہ ابدی زندگی ہے لہٰذا اہل ایمان کا مقابلہ اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔ تاکہ آخرت سنور سکے اور وہ وہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مستحق بن جائیں۔

﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (62)﴾

''اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ کہہ دیتی ہے اور ان (لوگوں) پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

یہاں اس سیاق کلام میں اس سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ جنت اور اُخروی کامیابی کے لیے ایک معیار رکھا گیا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اللہ کا سچا بندہ کون ہے۔ لیکن اس کو حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ نے انسان کے اوپر کوئی ایسا امتحان ڈال دیا جو اس کے بس میں نہیں ہے۔ بلکہ انسان ذرا سی توجہ اور محنت کرے تو وہ ابدی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر یہ امتحان پاس کرنا انسان کے بس میں نہ ہو تو پھر یہ ظلم ہو جائے گا۔ اس آیت میں یہ بات بھی آگئی کہ ہمارا ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے۔

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (7) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (8)﴾ (الزلزال)

''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''

اس ریکارڈ کی کتاب کے مطابق ہر شخص کو جزا یا سزا ملے گی اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

آگے فرمایا:

﴿بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ (63)﴾

''مگر ان کے دل ان (باتوں) کی طرف سے غفلت میں (پڑے ہوئے) ہیں اور ان کے سوا اور اعمال بھی ہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں۔''

انسانوں کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان کے دل اس ہدایت سے غافل ہیں۔ ان کے پاس اس کے سوا اور بہت سے دنیا کے بڑے بڑے معاملات ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے ٹارگٹس بنا رکھے ہیں۔ یہ ہدایت، یہ جنت، یہ ساری چیزیں ان کے نزدیک ڈھکوسلہ ہیں، ان حقائق کی طرف بلانے والوں کو یہ بے وقوف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود حماقت اور بیوقوفی میں مبتلا ہیں کہ دارالامتحان کو اپنی منزل سمجھ بیٹھے ہیں۔ لیکن وہ وقت دور نہیں جب ان پر حقیقت کھل جائے گی، چنانچہ فرمایا:

﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ (64)﴾

''یہاں تک کہ جب ہم نے ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو پکڑ لیا تو وہ اس وقت تلملا اٹھیں گے۔''

سب سے پہلے وہی لوگ گرفت میں آئیں گے جو آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی دوڑ میں آگے نکل رہے ہیں۔ جب ان کا محاسبہ ہوگا تو یہ چیخیں گے۔ اس وقت ارشاد ہوگا:

﴿لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۣ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ (65)﴾

''آج مت تلملاؤ تم کو ہم سے کچھ مدد نہیں ملے گی۔''
آج ہماری گرفت سے تمہیں کوئی نہیں چھڑا سکتا۔

﴿ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ (66) ﴾

''میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں اور تم الٹے پاؤں پھر جاتے تھے۔''

تمہیں سمجھایا جاتا تھا، تمہیں بتایا جاتا تھا لیکن تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔

﴿ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (67) ﴾

''ان سے سرکشی کرتے۔ کہانیوں میں مشغول ہوتے اور بے ہودہ بکواس کرتے تھے۔''

جب تمہیں اللہ کی آیات سنائی جاتی تھیں۔ تو تم اپنی عقل، اپنی سوچ اور اپنی دانش پر تکبر کرتے ہوئے سرکشی اختیار کرتے تھے اسے ایسے نظر انداز کر کے چلے جاتے تھے جیسے کوئی قصہ گو بیٹھا کوئی کہانی سنا رہا ہے یعنی اسے کوئی اہمیت دینے اور کبھی سوچنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

﴿ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ (68) ﴾

''کیا انہوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔''

کیا ان کے پاس وہ چیز آ گئی ہے جو ان کے آباء واجداد میں سے کسی کے پاس نہیں آئی۔ کیا قرآن اتنا اجنبی ہے کہ وہ وحی آسمانی کو جانتے ہی نہیں۔ کیا اس سے پہلے اللہ نے اپنا کلام رسولوں پر نہیں اتارا۔

﴿ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (69) ﴾

''یا یہ اپنے پیغمبرؐ کو جانتے پہچانتے نہیں اس وجہ سے ان کو نہیں مانتے۔''

حالانکہ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے رسولوں کے نام لیوا ہیں۔ لیکن اب یہ ایسے منکر ہو گئے ہیں کہ جیسے رسولوں سے واقف نہیں ہیں۔ ان کے انکار کا اصل سبب ذاتی مفادات اور ہٹ دھرمی تھی۔ آج بھی آسمانی ہدایت سے روگردانی کی وجہ دنیوی زندگی کو ترجیح دینا ہے۔ اللہ ہمیں اس ضد اور ہٹ دھرمی سے محفوظ رکھے اور قرآن کے پیغام کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مرتب: فرقان دانش)

☆☆☆

پریس ریلیز 07 دسمبر 2012ء — حافظ عاکف سعید

اگر ہم انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ کے دین اور محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو نافذ کر دیں تو دنیوی اور اُخروی فوز و فلاح ہمارا مقدر ہو گی

مسلمانوں کے لیے دنیا اور آخرت کی کامیابی اللہ کی بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ہے۔ چنانچہ اللہ کی بندگی کے عملی تقاضے پورے کرنا ایک مسلمان کی زندگی کا ہدف ہونا چاہیے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطبہ جمعہ کے دوران کہی۔ بعد ازاں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے اُنہوں نے بندگی رب کی وضاحت کی۔ اُنہوں نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی فرد، جماعت یا قوم اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے انحراف کرتی ہے تو وہ شتر بے مہار کی طرح دنیا کے صحرا میں کھو جاتی ہے۔ اگر کوئی انسان اس گمراہی سے ظاہراً دنیوی کامیابی حاصل کر بھی لے تو یہ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات کے مصداق عارضی ثابت ہوتی ہے، پھر وہ اُخروی زندگی میں شدید خسارے سے دوچار ہو جاتا ہے۔ ایسا خسارہ جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم بحیثیت قوم اس عارضی دنیا کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہے ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم نہ گھر کے رہے ہیں نہ گھاٹ کے۔ آج دنیا بھر میں پاکستانیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ہم خود ایک دوسرے کو عزت و احترام سے نہیں دیکھتے اور ہوس زر میں ہر شے کو فروخت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ قومی غیرت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ سیاست ہی نہیں مذہب بھی کاروبار بن چکا ہے اس حوالہ سے ہم ایک دوسرے سے سبقت لینے کے لئے جائز و ناجائز کی تمیز کھو چکے ہیں۔ لہٰذا ہمارے لیے واحد راہِ عمل یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ کے دین اور محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو قائم و نافذ کریں۔ ہمارا یہ عمل ہمیں دنیا میں بھی سرخرو کر دے گا اور آخرت میں فوز و فلاح ہمارا مقدر ہو گی۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی پاکستان)

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ

''جامع مسجد بنت کعبہ N-866 پونچھ روڈ سمن آباد لاہور'' میں

مبتدی تربیتی کورس

23 تا 29 دسمبر 2012ء

(بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0323-8269336/04235858212

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت : (042)36316638-36366638
0332-4178275

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

پاکستان عنقریب انتقالِ اقتدار کے مرحلے سے دوچار ہونے کو ہے۔اس سے پہلے کتنے عوام مزید انتقال فرما جائیں گے۔روز کا سکور دیکھ لیجئے۔ووٹرز لسٹ مختصر ہوتی جارہی ہے۔نقل مکانیوں کا سیزن ہے۔عوام اگلے جہان اور خواص پارٹی در پارٹی منتقل ہورہے ہیں۔اسے جمہوریت کا حسن اور لچک کہتے ہیں! سیاستدان بُرا نہیں مناتا۔غیرت نہیں دکھاتا۔تمام دروازے (Options) کھلے رکھتا ہے۔ہر قسم کا اتحاد ممکن ہے۔سیاسی داؤ پیچ، مکر فریب، لالچ، دھونس، جوڑ توڑ۔۔۔ سب روا ہے۔ لوٹا۔۔۔الگ سے کوئی اصطلاح نہیں ہے۔جمہوریت نام ہی لوٹا گردی کا ہے۔جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں لوٹے ہی چلا کرتے ہیں، سچے نہیں چلتے! دل بہلانے کو صرف چہرے بدلے جاتے ہیں۔پارٹیوں کے نام بدلے جاتے ہیں۔امیدوں، آرزوؤں، نئی صبح کے خوابوں، وعدوں کی گھن گرج سے عوام 'کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں' کا مزا لوٹتے ہیں۔امریکہ، برطانیہ پہلے سے تنبیہات فرما رہے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں نئی حکومت بھی غلامانہ فدویت بھرا تعاون جاری رکھے گی! یعنی ریموٹ کنٹرول غلامی جاری رہے گی۔ دہشت گردی کی جنگ اسی طرح بھیانک عفریت نما انڈے بچے دیتی رہے گی۔نہ قتل وغارت گری ختم ہوگی، نہ بھتہ خوری تھمے گی، اتحاد نئے بن جائیں گے، حکومت سازی، وزراء کی حلف برداریوں کے لئے۔۔۔لیکن ٹارگٹ کلنگ اور بھتہ خوری کی صنعت اسی طرح پھلے پھولے گی (خاکم بدہن!) گیس کی صبر آزما کن لائنوں سے شاید نجات مل جائے، کیونکہ نہ گیس فراہم ہوگی، نہ لائن لگے گی۔چپ چاپ ٹھنڈی آہیں بھر کر جیبیں خالی کر کے پٹرول بھروائیں، پیدل چلیں، سائیکل خرید لیں یا شاید حکومت ٹانگے چلانے کی اجازت دے دے۔وہ بھی عوام کی خیرخواہی میں ہوگا۔ڈاکٹر ہرکس وناکس کو 'واک' کا حکم صادر کرتے رہتے ہیں۔سو قوم کے لئے یہ اقدام صحت افزا ہوگا۔امراء قومی خزانے پر بالواسطہ یا بلاواسطہ ہاتھ صاف کر کے پُرشکمی کا علاج 'ورزشی سائیکل' سے گھر میں کرتے ہیں، سو کرتے رہیں گے۔تانگے چل پڑے تو ماحولیات سے دھوئیں کا عنصر ختم ہوجائے گا۔یہ تمام اقدام عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر اٹھائے جاسکتے ہیں! تعفن ہر طرف۔۔۔حقیقت تو یہ ہے کہ مہنگائی کا ایک نیا طوفان گیس کی بندش سے اٹھنے کو ہے۔نہ گیس گاڑیوں کو ملے گی اور گھریلو صارفین کو بھی کم کم۔لہٰذا خواتین روٹی پکانے کی کھکھیڑ سے بھی بچا لی جائیں گی اور ہماری سیاست میں کارفرما فرانسیسی شہزادیوں نما خواتین کے کہنے پر روٹی کی جگہ کیک کھانے کے مشورے سے نوازی جائیں گی۔یہ وقت ہوگا انقلاب کا! تاریخ تو یہی بتاتی ہے۔اگرچہ یہ فرنچ انقلاب کی کہانی ہے۔لیکن اس قوم کا المیہ بھی تو یہ ہے کہ جتنا مغرب کی تاریخ، جغرافیہ، سیاست، معاشرت کے اسباق اسے پڑھائے جاتے ہیں اس کا عشرِ عشیر بھی اگر نبوی انقلاب پڑھا دیا ہوتا تو ہمارا آج یہ حشر نہ ہوتا! ہم بھیڑ بکریوں کے بے وقعت گلے بنے بدعنوان ترین حکمرانوں کے ہاتھوں لاقانونیت، بھوک ننگ، ذلت ونکبت کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ہمیں اس سحر (Spell) کو توڑنا ہوگا۔اپنی کرسیوں، اپنی نسلوں کے مناصب، بینک بیلنس کی خاطر عوام کو گروی رکھنے والوں کے گھن چکر سے آزاد ہونا ہوگا۔ہمیں حکمران وہ درکار ہے جو امریکہ، نیٹو ٹولے کے جبر سے ہمیں آزادی دلوا سکے۔اس وقت ملک کی عظیم اکثریت پر اقلیتیں راج کر رہی ہیں۔امن پسند، اسلام پسند، پاکستان پسند عوام پر دستانے پہن کر بلیک واٹر، ٹارگٹ کلرز، بھتہ خور، سیکولر، بے دین، امریکہ، بھارت نواز شکم پرور، ملک فروش سیاسی اقلیت حکومت کر رہی ہے۔پورے خانوادے جنہیں عرفِ عام میں اشرافیہ کہا جاتا تھا (اب بدمعاشیہ کہنا زیادہ مناسب ہے) مسلط ہیں۔میڈیا پر بہ جبر ایک مادر پدر آزاد اقلیت براجمان ہو کر حیا، غیرت اور شرافت والی اکثریت کی روحوں میں عریانی، فحاشی، فکری گمراہی، دین بیزاری کا زہر اتار رہی ہے۔مسلمان، صاحبِ ایمان اکثریت ناکوں پر زلتی دھکے کھاتی جوابدہی کرتی یہ دیکھتی ہے کہ مسیحی کو میلی نگاہ سے دیکھنے کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔وہ آسیہ ہو تو ایک گورنر اس پر جان کی بازی لگا دے، رمشا ہو تو پوری حکومتی مشینری زلزلے کی زد میں آجائے، البتہ عافیہ کا نام لو۔۔۔صدیقِ اکبر کی ایک بیٹی۔۔۔تو گنگ ہو جائیں، سُنی ان سُنی کر دیں۔محرم کے دس دن پورا کاروبارِ زندگی معطل ہو جائے۔زبان کھولو تو 'فرقہ واریت' کے کوڑے برسنے لگیں۔امریکہ برطانیہ نواز ملالہ کے لئے ملک بھر کو ہلا مارا جائے۔

آئے دن گولیوں کا نشانہ مدارس کے کم عمر طلباء اور علماء بنیں، ڈرون حملوں کا تر معصوم بچے، بچیاں ہوں، میزائلوں سے ادھیڑ ڈالے جائیں، اقلیت کے ہاتھوں عظیم اکثریت رُل رہی ہے۔وجہ۔۔۔؟ آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا۔۔۔منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں! آیئے ذرا انتقالِ اقتدار کا ایک اور منظر دیکھیے۔شاید کھوئی منزلوں کا پتہ آپ پالیں۔۔۔واللہ۔۔۔! یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔ذرا دیکھیے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا وقتِ رخصت ہے۔مرض الموت میں مبتلا ہیں۔وہ جو قبل از اسلام بھی قریش کے سرداروں اور اشراف ومعزز لوگوں میں سے تھے۔مالدار تاجر تھے۔ امیر المومنین، خلیفۃ الرسول بنائے گئے۔اب واپسی قریب ہے۔سیدہ عائشہ ؓ سے فرمایا: ''جب سے میں نے خلافت سنبھالی ہے، ایک درہم ودینار بھی مسلمانوں کا نہیں کھایا، لیکن ہم نے ان کے بھوسی دار غلّے کھائے ہیں اور موٹے کپڑے پہنے ہیں اور مسلمانوں کے لئے مالِ فے میں سے میرے پاس قلیل وکثیر کچھ بھی نہیں سوائے اس حبشی غلام اور سینچائی کے اونٹ کے۔ان کو الگ کر دو۔ میری وفات ہوجائے تو اسے عمر کے پاس بھیج دینا اور میرا دامن ان سے بَری کر دینا''۔بھوک مٹانے اور ستر پوشی کے لئے کم ترین مال اپنی ذات پر خرچ کرنے والے حکمران ہمارا سرمایہ خلافت ہیں! المیہ یہ ہے کہ نظامِ خلافت کی وارث دینی جماعتیں بھی جمہوریت، اتحادوں کی دریوزہ گری میں محو ہیں۔اسی عطار کے لونڈے سے

دوا لینے پر مُصر ہیں۔ جاتی ہوئی ہیلری کلنٹن، ہماری رخصت ہوتی حکومت کو برسلز میں کھڑی دمِ واپسیں آنکھیں دکھا رہی ہے۔ وصیت ہے کہ ’ڈومور اینڈ مور‘! اِدھر یہ عالمی تھانیداروں سے ڈرتے ہیں۔

ہیلری کے جنرل کیانی اور حنا ربانی کے ساتھ فوٹوسیشن اور گلے ہاتھوں اِدھر ڈرون حملہ۔ پاکستان کی سالمیت، خودمختاری اور وقار کی دھجیوں میں لپٹے ہوئے ڈالروں کے توڑے۔۔۔کون ہے جواس ذلت سے قوم کو نکالے گا؟ سردی میں ٹھٹھرتے عوام، اور کپڑا اسارا ان کی دسترس سے دور اوپر کھمبوں پر لہرا لہرا کر بینروں پر بڑے بڑے بہی خواہوں، جغادریوں کی تصاویر لئے ان کی کسمپرسی کا مذاق اڑا رہا ہے! جو پیسہ پانی کی طرح الیکشن میں بہایا جائے گا اس کا رُخ غریب عوام کے لئے شکم سیری اور ستر پوشی کی طرف پھیر دیا جائے، اگر عوام دوستی کے دعوؤں کی کوئی حقیقت ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر اپنی عزت واکرام کی جمع پونجی لے کر کیوں اس اکھاڑے میں اتر گئے۔! یہ تو لٹنے والا نظام نہیں گنتی والا نظام ہے جو سرمایہ داروں، وڈیروں کی راجدھانی ہے!(بندوں کو گنا کرتے ہیں تولانہیں کرتے) ضرورت نظام بدلنے کی ہے، چہرے نہیں! جمہوریت کی روح اخلاص کے جوہر سے خالی، مفادات اور حرص پر مبنی ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ’’نئی بات‘‘ 11 دسمبر 2012ء)

دعائے صحت کی اپیل

☆ دفتر حلقہ ملتان کے ملازم فاروق احمد کو یرقان ہو گیا ہے

☆ ملتان شہر کے رفیق تنظیم محمد ایوب کی بیٹی بیمار ہے اس کو خون کی کمی ہو گئی ہے

☆ ملتان شہر کے رفیق تنظیم محمد اصغر کی ہمشیرہ شدید بیمار ہیں اور دو دن سے ہسپتال میں بیہوش ہیں

قارئین اور رفقاء واحباب سے ان کے لئے صحت کی اپیل ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی گڑھی شاہو کے ملتزم رفیق وحید عمر کے دادا وفات پا گئے

☆ مقامی تنظیم ہارون آباد کے نقیب اسرہ محمد ضیاء احمد کے والد وفات پا گئے

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء واحباب سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مشاہیر اسلام کے آخری لمحات

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

وفات کے قریب آپؓ نے اپنی وصیت لکھوائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بھیج دی، تاکہ مسلمانوں کو سنادی جائے۔ وصیت حسب ذیل تھی:

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ابوبکر ابن ابی قحافہ کی وصیت ہے جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جب منکر ایمان لے آتا ہے، فاجر بدبختی پر کڑھتا اور جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن الخطابؓ کو امیر بنایا ہے۔ اگر وہ عدل کرے اور تقویٰ برتے تو اس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی اُمید ہے لیکن اگر وہ بدل جائے تو میں نے حق الوسع بھلائی چاہی ہے۔ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔‘‘

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد مرضِ موت کے آخری دنوں میں بے ہوش ہو گئے۔ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا، افسوس! میرے والد کو سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ اتنے میں ان کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا نہیں یہ بیماری نہیں، یہ وہ چیز ہے جس کی نسبت اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾﴾ (ق) ’’اور موت کی بے ہوشی حقیقت کھولنے کو طاری ہو گئی (اے انسان) یہی (وہ حالت ہے) جس سے تو بھاگتا تھا۔‘‘ پھر پوچھا رسول اللہ ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟

میں نے عرض کیا ’’تین کپڑوں میں۔‘‘

پھر پوچھا ’’انہوں نے کس دن وفات پائی تھی؟‘‘

عرض کیا ’’پیر کے دن‘‘

پوچھا ’’آج کون سا دن ہے؟‘‘

عرض کیا ’’پیر کا دن ہے۔‘‘

فرمایا: ’’میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آج رات اور دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے گی۔‘‘ پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا ’’دو مزید کپڑے ملا کر اس میں مجھے کفنا دینا۔‘‘

میں نے عرض کیا: ’’یہ تو پرانا ہے!‘‘

فرمایا ’’زندہ انسان مردہ کے مقابلے میں نئے کپڑے کا زیادہ خواہش مند ہوتا ہے اور کفن تو ہڈیوں اور خون کے لیے ہے۔‘‘

جب وفات پائی تو دعائے یوسفی آپؓ کی زبان پر تھی۔ ﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (یوسف: 101) ’’(اے پروردگار) تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت کی حالت میں اُٹھائیو، اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیئو۔‘‘

(وفات: 13ھ بمطابق 634ء)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا ’’میرا چہرہ زمین پر رکھ دے۔ شاید اللہ مجھ پر مہربان ہو جائے اور رحم کرے۔‘‘

آخری کلمۂ وصیت اہلِ ذمہ یعنی غیر مسلم رعایا کی نسبت تھا ’’میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لیے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری یاد رکھے۔ ان سے جو اقرار کیے گئے ہیں ہمیشہ پورے کیے جائیں۔ ان کی حفاظت کی جائے۔ ان پر بھی سختی نہ کی جائے۔‘‘ (وفات 24ھ مطابق 644ء)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب قتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا: ’’سیلاب چوٹی تک پہنچ گیا، معاملہ حد سے تجاوز کر گیا۔ خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ، موافقت یا مخالفت میں۔‘‘

خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

(ترجمہ) ’’اگر میرے لیے یہی صورت رہ گئی ہے کہ میں کسی کا نوالہ بنوں تو سب سے بہتر کھانے والے تم بنو ورنہ میرے ٹکڑے اڑنے سے پہلے مجھے آ کر بچا لو۔‘‘ (35ھ بمطابق 655ء میں شہید ہوئے)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت، بہت حسرت ظاہر کرنے لگے، لوگوں نے کہا ’’اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کو کس چیز پر افسوس ہے؟‘‘

جواب دیا: ’’میں دنیا پر افسوس نہیں کرتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایک وصیت ہمیں کی تھی۔ فرمایا تھا:

''تمہارے پاس مسافر کے زادِ راہ بھر سامان ہونا چاہیے میں ڈرتا ہوں کہ ہم نے اس نصیحت پر عمل نہیں

بھائی پر سرکشی کرے اسے گمراہی سے روک دینا اور اس کا عہد توڑ دینا۔'' (193ھ مطابق 808ء میں انتقال کیا۔)

حضرت معروف الکرخی

مشہور صوفی زاہد معروف کرخی سے حالت نزع میں کہا گیا وصیت کیجئے! کہنے لگے ''جب میں مرجاؤں تو میرا کرتہ بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں دنیا سے اسی طرح جاؤں جس طرح آیا تھا۔'' (200ھ مطابق 815ء میں وفات پائی۔)

امام شافعیؒ

امام مزنی کہتے ہیں کہ جس دن حضرت امام شافعیؒ نے انتقال کیا اس کی صبح کو میں عیادت کے لیے حاضر ہوا تھا۔ ''مزاج کیسا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

انہوں نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا:

''دنیا سے جا رہا ہوں۔ دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں۔ موت کا پیالہ منہ سے لگا ہے۔ نہیں معلوم کہ میری روح جنت میں جائے گی کہ اسے مبارک باد دوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ اسے تعزیت پیش کروں۔''

پھر یہ شعر پڑھے:

(ترجمہ) ''اپنے دل کی سختی اور اپنی بے چارگی کے بعد میں نے تیرے عفو پر اپنی اُمید کو سہارا بنایا ہے۔

میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اسے رکھا تو اے رب! تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔''

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا، یہ الفاظ زبان پر تھے:

''اے (اللہ) جس کی بادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اس پر رحم فرما جس کی بادشاہی جا رہی ہے، اے (اللہ) جو کبھی نہیں مرے گا، اس پر رحم کر جو مر رہا ہے۔''

جاحظ نے کہا ''خدا امیر المؤمنین کا ثواب زیادہ کرے اور تندرستی بخشے!''

مامون نے فوراً کہا ''میری تندرستی کی دعا نہ کرو۔ بلکہ میرے لیے مغفرت کی دعا کرو۔'' پھر کہا ''اللہ تو نے ہمیں حکم دیئے اور ہم نے نافرمانی کی۔ اے اللہ! تو مجھے بخش دے، کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے۔'' اس

تلوار سے یوں کرنا (یعنی اس کی گردن اڑا دینا)''

پھر یزید بن معاویہ کے دونوں لڑکوں محمد اور خالد کو

امام جاحظ

عربی ادب کے مشہور ادیب، امام جاحظ کا جب وقت آخر آیا تو ابوالعباس المبرد عیادت کو گیا۔ مزاج پرسی کے جواب میں جاحظ نے کہا ''وہ شخص کیسا ہوگا جس کا آدھا دھڑ سن ہو گیا ہو حتیٰ کہ اگر آرے سے بھی چیر دیا جائے تو اسے پتہ نہ چلے اور آدھا دھڑ اتنا حساس ہو کہ اگر مکھی بھی اس کے قریب اڑے تو درد محسوس کرنے لگے۔

''کیا تو آرزو کرتا ہے کہ اب بڑھاپے میں بھی ایسا ہو جائے جیسا کہ جوانی کے دنوں میں تھا۔''

''تیرا نفس جھوٹا ہے، پرانا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے؟'' (255ھ بمطابق 868ء میں انتقال کیا)

خلیفہ معتضد باللہ

سولہواں عباسی خلیفہ معتضد باللہ سخت ظالم اور مستبد تھا۔ وفات کے وقت اس نے اپنا مرثیہ یوں پڑھا:

(ترجمہ) ''دنیا سے لطف اُٹھالے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اس کی بھلائی لے اور برائی چھوڑ دے۔''

''اس دنیا پر بھروسا نہ کرنا، جس پر میں نے بھروسا کیا تھا، دیکھ اس نے مجھ سے بے وفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہیں کیا۔''

''میں نے بڑے بڑے بہادر مارے، کوئی دشمن نہ چھوڑا، کسی کو بھی اس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔''

''میں نے پایہ تخت کو تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، انہیں پراگندہ کر کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔''

لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آگ بجھا دی۔ دیکھ اب میں عنقریب اپنے گڑھے میں ڈالا جانے والا ہوں۔''

''میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ دولت سے بے زار ہونے والے اور دولت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی۔''

''آہ کاش! میں کیا جانوں، موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پاؤں گا یا دوزخ میں جھونک دیا جاؤں گا۔''

(289ھ بمطابق 902ء میں انتقال کیا)

☆☆☆

امام ابراہیم نخعیؒ

موت کے وقت سخت خوف زدہ ہوئے تو لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہنے لگے ''اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہر لحہ دھڑکا لگا ہے کہ پروردگار کا قاصد پہنچے گا اور جنت یا دوزخ کی خبر دے گا۔ قسم ہے خدا کی میری تمنا ہے کہ قیامت تک میری روح یونہی حلق میں پھنسی رہے۔''

(96ھ مطابق 714ء میں انتقال کیا)

مروان بن محمد

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد عباسیوں کے ہاتھوں قتل ہونے لگا تو یہ شعر کہے:

زمانہ دو ہی دن کا ہے: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہے، آدھی میں خوشی اور آدھی میں رنج۔''

زمین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں مگر پتھر اس درخت پر مارے جاتے ہیں جس میں پھل ہیں۔

زمانے کے انقلاب پر طعنہ دینے والوں سے کہہ دو کہ زمانہ اسی کے خلاف ہو جاتا ہے جو کوئی درجہ رکھتا ہے۔

تم دیکھتے نہیں دریا کی سطح پر صرف مردے تیرتے ہیں لیکن موتی اس کی تہہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہمیں ستایا اور اس کی سختیاں ہم پر پڑی ہیں تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار تارے موجود ہیں مگر گرہن صرف چاند اور سورج کو لگتا ہے۔''

ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہوگئی تو طبیب بلائے گئے مگر کسی علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون مایوس ہو گیا اور یہ شعر پڑھے:

(ترجمہ) ''طبیب اپنی طب اور دوا سے کسی مصیبت کو اس کے آجانے کے بعد دور نہیں کر سکتا۔ یہ کیا ہے کہ طبیب اس بیماری سے مرتا ہے جسے ہمیشہ اپنے علاج سے اچھا کیا کرتا تھا۔

معالج، مریض، دوا لانے والا، دوا بیچنے والا اور دوا خریدنے والا سب مرجائیں گے۔''

جب موت کا یقین ہو گیا تو بنی ہاشم کو طلب کیا اور کہا:

''ہر مخلوق مرجانے والی ہے۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اتر رہا ہوں۔ میں تمہیں تین وصیتیں کرتا ہوں۔ اپنی امانت کی حفاظت کرنا۔ اپنے سرداروں کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں لڑکوں محمد اور عبداللہ کو دیکھنا۔ ان میں سے جو بھی اپنے

بھائی پر سرکشی کرے اسے گمراہی سے روک دینا اور اس کا عہد توڑ دینا۔" (193ھ مطابق 808ء میں انتقال کیا۔)

حضرت معروف الکرخی

مشہور صوفی زاہد معروف کرخی سے حالت نزع میں کہا گیا وصیت کیجیے! کہنے لگے "جب میں مرجاؤں تو میرا کرتہ بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں دنیا سے اسی طرح جاؤں جس طرح آیا تھا۔" (200ھ مطابق 815ء میں وفات پائی۔)

امام شافعیؒ

امام مزنی کہتے ہیں کہ جس دن حضرت امام شافعیؒ نے انتقال کیا اس کی صبح کو میں عیادت کے لیے حاضر ہوا تھا۔ "مزاج کیسا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

انہوں نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا:

"دنیا سے جا رہا ہوں۔ دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں۔ موت کا پیالہ منہ سے لگا ہے۔ نہیں معلوم کہ میری روح جنت میں جائے گی کہ اسے مبارک باد دوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ اسے تعزیت پیش کروں۔"

پھر یہ شعر پڑھے:

(ترجمہ) "اپنے دل کی سختی اور اپنی بے چارگی کے بعد میں نے تیرے عفو پر اپنی اُمید کو سہارا بنایا ہے۔

میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اسے رکھا تو اے رب! تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔"

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا، یہ الفاظ زبان پر تھے:

"اے (اللہ) جس کی بادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اس پر رحم فرما جس کی بادشاہی جا رہی ہے، اے (اللہ) جو کبھی نہیں مرے گا، اس پر رحم کر جو مر رہا ہے۔"

جاحظ نے کہا "خدا امیر المؤمنین کا ثواب زیادہ کرے اور تندرستی بخشے!"

مامون نے فوراً کہا "میری تندرستی کی دعا نہ کرو۔ بلکہ میرے لیے مغفرت کی دعا کرو۔" پھر کہا "اللہ تو نے ہمیں حکم دیئے اور ہم نے نافرمانی کی۔ اے اللہ! تو مجھے بخش دے، کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے۔" اس کے بعد روح پرواز کر گئی۔ (218ھ بمطابق 833ء میں وفات پائی)

امام جاحظ

عربی ادب کے مشہور ادیب، امام جاحظ کا جب وقت آخر آیا تو ابوالعباس المبرد عیادت کو گیا۔ مزاج پرسی کے جواب میں جاحظ نے کہا "وہ شخص کیسا ہوگا جس کا آدھا دھڑ سن ہو گیا ہو حتیٰ کہ اگر آرے سے بھی چیر دیا جائے تو اسے پتہ نہ چلے اور آدھا دھڑ اتنا حساس ہو کہ اگر مکھی بھی اس کے قریب اڑے تو درد محسوس کرنے لگے۔

"کیا تو آرزو کرتا ہے کہ اب بڑھاپے میں بھی ایسا ہو جائے جیسا کہ جوانی کے دنوں میں تھا۔"

"تیرا نفس جھوٹا ہے، پرانا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے؟" (255ھ بمطابق 868ء میں انتقال کیا)

خلیفہ معتضد باللہ

سولہواں عباسی خلیفہ معتضد باللہ سخت ظالم اور مستبد تھا۔ وفات کے وقت اس نے اپنا مرثیہ یوں پڑھا:

(ترجمہ) "دنیا سے لطف اُٹھا لے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اس کی بھلائی لے اور برائی چھوڑ دے۔"

"اس دنیا پر بھروسا نہ کرنا، جس پر میں نے بھروسا کیا تھا، دیکھ اس نے مجھ سے بے وفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہیں کیا۔"

"میں نے بڑے بڑے بہادر مارے، کوئی دشمن نہ چھوڑا، کسی کو بھی اس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔"

"میں نے پایۂ تخت کو تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، انہیں پراگندہ کر کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔"

لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آگ بجھا دی۔ دیکھ اب میں عنقریب اپنے گڑھے میں ڈالا جانے والا ہوں۔"

"میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ دولت سے بے زار ہونے والے اور دولت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی۔"

"آہ کاش! میں کیا جانو، موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پاؤں گا یا دوزخ میں جھونک دیا جاؤں گا۔"

(289ھ بمطابق 902ء میں انتقال کیا)

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

(بقیہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رُومی)

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صہیب، حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم اکٹھے بیٹھے تھے، قبول اسلام سے قبل ابوسفیان کا ادھر سے گزر ہوا۔ تینوں نے اس قسم کے الفاظ کہے۔ "اللہ کی تلوار نے ابھی تک اس دشمن خدا کا سر قلم نہیں کیا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو پاس ہی تھے انہوں نے فرمایا: "یہ شخص قریش کا سردار ہے اس کے لیے ایسے سخت الفاظ منہ سے نہ نکالو۔"

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ معاملہ آیا تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تمہارے ٹوکنے پر کہیں یہ لوگ ناراض نہ ہو گئے ہوں، ان کو ناراض کرنا گویا خدا کو ناراض کرنا ہے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر ان تینوں بزرگوں کے پاس پہنچے اور پوچھا: "میری بات سے تم ناراض تو نہیں ہو گئے۔"

انہوں نے کہا: "اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے دل میں تمہارے خلاف کوئی ملال نہیں۔"

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو "ابو یحییٰ" کی کنیت تجویز فرمائی، حالانکہ ان کی اس نام سے کوئی اولاد نہ تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان سے غایت درجہ محبت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ملاقات کے لیے آتے تو وہ سب کام چھوڑ کر ان سے ملاقات کرتے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم اپنا مال اتنی بے دردی سے کیوں صرف کرتے ہو، بولے "میرے اس عمل کی اساس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر ہے کہ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔"

اپنی وفات سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ جب تک نئے خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی امامت کے فرائض انجام دیں گے۔ انہوں نے اپنی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا نام تجویز کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپؓ نے خلیفہ کے انتخاب تک یعنی تین دن خلافت کے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے شوال 38 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور بقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اس وقت آپؓ کی عمر 72 برس تھی۔

کالاباغ ڈیم: وقت کی اہم ترین ضرورت

خلافت فورم میں فکرانگیز مذاکرہ

شرکاء: جناب ابراہیم مغل (چیئرمین ایگری فورم)

جناب ایوب بیگ مرزا (ناظم نشرواشاعت تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد

سوال: لاہور ہائی کورٹ نے وفاقی حکومت کو کالاباغ ڈیم کی تعمیر کا حکم دیا ہے۔ جبکہ اس سے قبل سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کی اسمبلیوں میں کالاباغ ڈیم کے خلاف قراردادیں پاس ہوچکی ہیں۔ ان حالات میں کالاباغ ڈیم کی تعمیر کیسے ممکن ہوگی؟ یہ بھی وضاحت کردیجیے کہ کالاباغ ڈیم کا آئیڈیا کب فلوٹ ہوا اور اس پر ابتدائی کام کب شروع ہوا؟

ایوب بیگ مرزا: میری ناقص معلومات کے مطابق لاہور ہائی کورٹ نے وفاقی حکومت کو قطعی طور پر یہ بات نہیں کہی ہے کہ وہ کالاباغ ڈیم کی فوراً تعمیر شروع کروائے بلکہ لاہور ہائی کورٹ نے یہ بات آئین کی حدود میں رہتے ہوئے کی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ نے ایک درخواست گزار کی درخواست پر مشترکہ مفادات کونسل (C.C.I) کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ مشترکہ مفادات کی کونسل نے دو دفعہ یہ قرارداد پاس کی ہے کہ کالاباغ ڈیم کی تعمیر لازمی ہونی چاہیے۔ یہ بات درست ہے کہ کالاباغ ڈیم کا معاملہ لاہور ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار سے باہر ہے لیکن عدلیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آئین کی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے وہ کام جو آئینی دائرہ کار میں آتے ہیں اُن پر عمل درآمد کروانے کے لیے لازمی طور پر حکومت کو زور دے کر کہہ سکتی ہے۔ لہٰذا ہائی کورٹ نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ C.C.I کی سفارشات پر عمل درآمد کرتے ہوئے کالاباغ ڈیم پر جلد از جلد کام شروع کرے۔ کالاباغ ڈیم دریائے سندھ اور سوان کے سنگم پر 3 میل نیچے کی جانب واقع ہے جبکہ قصبہ کالاباغ سے کالاباغ ڈیم 10 میل کی اونچائی پر واقع ہے۔ 1953ء۔1954ء میں کالاباغ ڈیم کی انجینئرنگ اینڈ انویسٹی گیشن کا کام شروع ہوا تھا۔ 1956ء میں جب اس کی فیزیبلٹی رپورٹ بنی تو 1962ء میں ایک بینکار ولیم برن نے پاکستان کا دورہ کیا اور اُس نے اُس وقت کی حکومت سے بارہا کہا کہ وہ یہاں ڈیم بنائیں لیکن واپڈا کی انتظامیہ نے پہلے تربیلا ڈیم کو فوقیت دی اور کہا کہ تربیلا ڈیم کے بعد کالاباغ ڈیم بنے گا۔ کالاباغ ڈیم کا ڈیزائن 1984ء میں ضیاءالحق کے دور میں بنا تھا۔ کالاباغ ڈیم کے ڈیزائن پر کام جتنی تیزی سے ہوا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے ڈیزائن کو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو بھیجنے کے علاوہ یہ بھی کہا کہ اس کی نہ صرف مکمل ڈیزائننگ کی جائے بلکہ اس کے (Contract papers) بھی تیار کیے جائیں لیکن ضیاءالحق کے دور میں صوبہ سرحد موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا کے گورنر جنرل فضل الحق تھے جو کہ باچہ خان فیملی کے عزیز تھے۔ سب سے پہلے کالاباغ ڈیم کی مخالفت کا شوشہ انھوں نے چھوڑا تھا اور کہا تھا کہ ہم کالاباغ ڈیم نہیں بننے دیں گے۔ ضیاءالحق اپنے اس جنرل سے ذرا گھبراتے بھی تھے۔ کالاباغ ڈیم کے متعلق خیبر پختونخوا کے لوگوں کے تحفظات یہ ہیں کہ اس ڈیم سے غازی بروتھا پراجیکٹ متاثر ہوگا۔ دوسری بات وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کابالاغ ڈیم کی وجہ سے ضلع نوشہرہ مکمل طور پر زیرآب آجائے گا۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں سابق چیئرمین واپڈا

کالاباغ ڈیم کی تعمیر سے لوڈشیڈنگ کا خاتمہ اور بجلی کے بلوں کی مد میں 133 ارب روپے کی بچت ہوگی۔

شمس الملک نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔ اُنھوں نے کہا ہے کہ نوشہرہ میں جو جگہ آپ کے خیال میں سب سے زیادہ ڈوبنے والی ہے میں اُس جگہ اپنا مکان بنانے کو تیار ہوں۔ میرے خیال میں صوبہ خیبر پختونخوا میں وہ واحد شخص ہیں جو بڑے دلیرانہ انداز میں کالاباغ ڈیم کے حامی ہیں۔ اسی طرح صوبہ سندھ کو بھی کالاباغ ڈیم پر تحفظات ہیں اور صوبہ سندھ کالاباغ ڈیم کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس واقع ہوا ہے۔ صوبہ سندھ کے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس منصوبہ سے دریائے سندھ میں پانی کا بہاؤ کم ہوجائے گا۔ کیونکہ یہی تیز بہاؤ سمندر کے پانی کو صوبہ سندھ کی زرخیز زمینوں کی طرف آنے سے روکتا ہے لہٰذا اس رکاوٹ کی وجہ سے صوبہ سندھ کی زرخیز زمینیں تاحال محفوظ ہیں۔ اسی طرح ہمارے سندھی بھائیوں کو یہ خدشہ بھی لاحق ہے کہ کالاباغ ڈیم کے بننے سے صوبہ سندھ کو زراعت کے لیے ملنے والے پانی میں نا صرف کمی واقع ہوگی بلکہ پانی کا زیادہ حصہ پنجاب کو ملے گا۔ جس سے ہماری شہ رگ پنجاب کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ اب جہاں تک بلوچستان کا معاملہ ہے تو بلوچستان کالاباغ ڈیم کی تعمیر سے قطعی متاثر نہیں ہوتا ان کا کہنا یہ ہے کہ چھوٹے صوبوں کے حقوق قطعی طور پر تلف نہیں ہونے چاہئیں۔ یہ وہ وجوہات ہیں جس کی بنا پر صوبوں میں کالاباغ ڈیم کی مخالفت کی جارہی ہے۔

سوال: اگر کالاباغ ڈیم کا منصوبہ تکنیکی اور معاشی پہلوؤں سے قابل عمل ہے تو اسے سیاست کی بھینٹ چڑھا کر پاکستان کو اندھیروں میں کیوں دھکیلا جا رہا ہے؟ کیا آپ تفصیل سے بتائیں گے کہ کالاباغ ڈیم نہ بننے کی صورت میں مالی لحاظ سے کتنا نقصان ہوگا؟

ابراہیم مغل: آج سے تقریباً ساڑھے تین سال پہلے ایگری فورم پاکستان اور ہمارے ایک دیرینہ دوست انجینئر چودھری فضل نے اے. کے. ڈوگر کے ذریعہ سپریم کورٹ میں ایک رٹ پٹیشن دائر کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ کالاباغ ڈیم کو میرٹ پر دیکھا جائے اگر اس سے پاکستان کو فائدہ پہنچتا ہے تو اسے فوری طور پر بنانے کے احکامات جاری کیے جائیں کیونکہ اسے ایک سیاسی ایشو بنادیا گیا ہے اور اگر صوبے یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں کہ اس سے کسی ایک صوبے کو بھی نقصان پہنچتا ہے تو اس کو نہ بنایا جائے۔ ہم دو سال تک اپنی رٹ کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن عدلیہ میں کیسوں کی بھرمار کی وجہ سے ہماری درخواست کی شنوائی نہ ہوسکی۔ جس پر اے. کے. ڈوگر نے ہمیں ہائی کورٹ جانے کا مشورہ دیا۔ ہائی کورٹ میں بھی ہماری یہی استدعا تھی کیونکہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ کورٹ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ ایسے فیصلے کرے بلکہ یہ کام تو مرکز کا ہے اور اگر یہ کام کروانا ہی تھا تو سپریم کورٹ جانا چاہیے تھا۔ تو ان دوستوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم تو آج سے ساڑھے تین سال پہلے اس کام کے سلسلے میں سپریم کورٹ سے رجوع کرچکے ہیں۔ کورٹ کے سامنے ہماری استدعا یہ تھی کہ 16 مارچ 1991ء کو چاروں صوبوں کے وزراء اعلیٰ، فنانس منسٹرز اور چاروں صوبوں کے ٹیکنیکل انجینئرز پر مشتمل ٹیم نے چاروں صوبوں میں پانی کی تقسیم پر ایک معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدے کے دوسرے صفحہ پر (Clause 6) میں واضح طور پر لکھا ہے کہ تمام سیاسی و انتظامی حلقے اس بات پر متفق

ہیں کہ دریائے سندھ پر جتنے بھی ڈیم ممکن ہوں گے ہم بنائیں گے۔ گویا تمام حلقوں کی جانب سے کالاباغ ڈیم بنانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس کے بعد اس معاملے کو C.C.I میں لے جایا گیا ہے جسے C.C.I نے منظور کر لیا۔ لاہور میں موجود نثار میمن نے جو کہ اس منصوبے کی زیادہ حق میں نہیں تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ اس منصوبے پر ٹیکنیکل کمیٹی بنائی جائے جو اس سارے منصوبے پر اپنی حتمی رائے دے۔ آپ نوٹ فرمائیں کہ تربیلا ڈیم کے معاملے کو مشترکہ مفادات کونسل میں نہیں لے جایا گیا تھا۔ اسی طرح تربیلا ڈیم کے معاملے پر نہ چاروں صوبوں کی حمایت لی گئی تھی اور نہ ہی باہمی اتفاق رائے قائم کرنے کی شرط لگائی گئی تھی بلکہ تربیلا ڈیم کے معاملے پر بھی ہمارے سندھی بھائیوں نے اُس وقت بھی یہی کہا تھا کہ تربیلا ڈیم اُن کی لاشوں پر ہی بن سکتا ہے۔ لیکن جب تربیلا ڈیم بن گیا تو اس کی بدولت انھیں سندھی بھائیوں کی ستائیس لاکھ ایکڑ بنجر زمین زیرِ کاشت آئی۔ لہٰذا جب کالاباغ ڈیم کا معاملہ ٹیکنیکل کمیٹی کے سامنے پیش ہوا تو اُس نے دیکھا کہ اس منصوبے کو نہ صرف سیاسی حلقوں نے منظور کیا ہے بلکہ اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے بھی اسے حمایت حاصل ہے۔ تو اس ٹیکنیکل کمیٹی نے پوری جانچ پڑتال کے بعد ایک ممبر کے علاوہ باقی سات کمیٹی ممبران نے اس منصوبے کی مکمل حمایت کا اعلان کر دیا۔ اب جہاں تک نوشہرہ شہر کے ڈوبنے کا سوال ہے تو کالاباغ ڈیم کا نقشہ بنایا گیا تو اس کی بلندی 925 فٹ رکھی گئی تھی جب یہ مطالبہ آیا گیا کہ اس کی بلندی زیادہ ہے تو اس میں کمی کر کے بلندی 915 فٹ تک کر دی گئی۔ یہ بات واضح ہے کہ کالاباغ ڈیم کی انتہائی سطح 915 فٹ پر جا کے ختم ہو جاتی ہے جبکہ نوشہرہ شہر کی ابتدا ہی 945 فٹ سے شروع ہوتی ہے۔ اب آپ بتائیں کہ کس طرح پانی 30 فٹ بلند ہو کر خدانخواستہ نوشہرہ شہر کو تباہ کر سکتا ہے؟ جب ہم خیبر پختونخوا کی بات کرتے ہیں تو بھارت جو 10، 15 سال سے ہمارے ملک کے خلاف آبی دہشت گردی کا مرتکب ہو رہا ہے اُس کے بارے میں ANP کی جانب سے کبھی یہ بیان نہیں آتا ہے کہ بھارت نے ہمارے پانی پر کیوں قبضہ کیا ہوا ہے جبکہ دوسری جانب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اب تک کالاباغ ڈیم شروع بھی نہیں کیا ہے اُس پر ہم ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایک اور بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ 1400 کلومیٹر لمبا دریائے سندھ صرف کالاباغ ڈیم کے مقام پر جب پانی کی سطح 915 فٹ کی بلندی پر پہنچے گی تو ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، کرک اور ٹانک کے اضلاع کی آٹھ لاکھ ایکڑ زرعی اراضی جہاں ایک کاشت کار ساڑھے چھ سات ہزار روپے ایکڑ خرچ کر کے آب پاشی کرتا ہے۔ کالاباغ ڈیم بننے کی صورت میں انھیں 93 روپے ایکڑ پانی

گزشتہ 15 برس سے بھارت پاکستان کا پانی روک کر ''آبی دہشت گردی'' کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ANP کے راہنما اِس جرم پر بھارت کے خلاف بیان کیوں نہیں دیتے؟

ملنا شروع ہو جائے گا۔ ہمارے ANP والے بھائی ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، ٹانک اور کرک کی اس لیے بھی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ وہاں پر اُن کا کوئی ووٹر جو نہیں ہے۔

سوال: کیا بھاشا یا کوئی اور ڈیم کالاباغ ڈیم کا متبادل ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں صوبہ سندھ اور خیبر پختونخوا کے جو تحفظات ہیں آپ کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟

ابراہیم مغل: بارش کا وقت پر ہونا، اسی طرح گلیشیئرز سے برف کا پگھل کر پانی ہمیں ملنا دینی نقطۂ نظر سے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ پانی 145 ملین ایکڑ فٹ ہے اور بعض افراد 123 ملین ایکڑ فٹ بھی کہتے ہیں۔ یعنی 1 ملین ایکڑ فٹ کا مطلب ہے کہ 10 لاکھ ایکڑ رقبہ پر ایک ایک فٹ پانی کھڑا ہو جائے تو اُسے 1 ملین ایکڑ فٹ کہیں گے۔ اس سے آپ 123 یا 145 ملین فٹ ایکڑ پانی کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس حوالے سے اس ٹیکنیکل کمیٹی کے معاہدے کی (Claeus 6) کے فوراً بعد (Clause 7) میں کہا گیا ہے کہ کالاباغ ڈیم بننے کے بعد جب سمندر پانی کی چھل واپس بھیجے گا تو اس کے حل کے لیے ہم کالاباغ ڈیم سے 15 ملین ایکڑ فٹ پانی روزانہ یعنی 365 دن چھوڑا کریں گے تاکہ سمندر سندھ کے ساحلی علاقوں اور زمینوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اگر اس معاہدے میں یہ لائحہ عمل طے نہ ہو تو آپ بے شک کالاباغ ڈیم نہ بنائیں۔ اسی طرح نوشہرہ شہر کالاباغ ڈیم کے لیول سے اوپر نہ ہو تو کالاباغ ڈیم نہ بنایا جائے۔ اسی طرح ٹانک، بنوں وغیرہ میں کاشت کار کو یہ رعایت نہ ملے جو میں نے عرض کی ہے اور وہاں غربت ختم نہ ہو تو پھر بھی یہ ڈیم نہ بنایا جائے۔ خیبر پختونخوا میں ANP کی کالاباغ ڈیم مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں ان کے ووٹر نہیں ہیں، اسی طرح ہمارے سندھی بھائیوں کا یہ مسئلہ ہے کہ سندھ میں 22 سے 24 لاکھ ایکڑ فٹ دریائے سندھ کے کناروں میں کچے کا علاقہ ہے وہاں پانی کو کنٹرول کرنے کا سسٹم موجود نہیں ہے۔ یعنی پانی ایک دم کہیں سے آ گیا اور 200 ایکڑ سے 1400 ایکڑ تک پہنچ گیا۔ اب یہ پانی کہیں 2 فٹ کھڑا اور کہیں چار فٹ پر کھڑا ہے۔ اس رقبہ کے مالکان کیونکہ بڑے زمیندار ہیں اس لیے اُنھیں میری یہ بات بہت پریشان کرے گی۔ لیکن میں یہ بات ضرور کہوں گا کیونکہ یہ نہ صرف ملکی تقاضا ہے بلکہ دینی تقاضا بھی ہے جسے کہنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کالاباغ ڈیم بننے سے کچے کا علاقہ بھی کمانڈ ایریا بن جائے گا اور پانی ناپ تول کے ملے گا تو یہ مالکان جو شتر بے مہار کی طرح کھلے پانی سے صرف اپنی جیبیں نوٹوں سے بھر رہے ہیں اُن کا یہ معاملہ کالاباغ ڈیم کے بننے سے مکمل ٹھپ ہو کے رہ جائے گا۔ صوبہ سندھ کا معصوم ہاری ان بڑے لوگوں کی سازشوں اور چالوں کو سمجھتا نہیں ہے وہ بھی کالاباغ ڈیم کے بننے کے خلاف نعرے لگاتا ہے۔ اس ضمن میں ایک اور بات عرض کیے دیتا ہوں کہ آج سندھ کو جتنا پانی مل رہا ہے یعنی انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (IRSA) جتنا پانی سندھ کو مہیا کر رہی ہے اگر کالاباغ ڈیم بننے کے بعد انھیں 20 لاکھ ایکڑ پانی اضافی نہ ملے تو پھر بھی کالاباغ ڈیم بے شک نہ بنایا جائے۔

سوال: صوبہ سندھ کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کالاباغ ڈیم بننے کی صورت میں صوبہ سندھ کے کاشتکاروں کو اپنی ضروریات کے لیے پنجاب اور KPK کی نسبت کم پانی ملے گا جس کی وجہ سے سندھی کسان زراعت کے لیے پانی جیسی بنیادی ضرورت سے محروم رہے گا اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ابراہیم مغل: اس سلسلے میں چاروں صوبوں کا اتفاق رائے ہے۔ جس کے مطابق ٹوٹل پانی کا 14 فیصد خیبر پختونخوا کو ملے گا۔ 14 فیصد بلوچستان کو اسی طرح 36 فیصد پنجاب اور 36 فیصد سندھ کو ملے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ سندھی کہتے ہیں کہ ہم اس مسئلے کو مکمل طور پر ختم کر سکتے ہیں اگر یہ سارے کا سارا پانی ہمیں مل جائے۔ دراصل ہمارے سندھی بھائی تھوڑے اور مناسب پانی کے ساتھ کاشتکاری کی عادی نہیں ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ کالاباغ ڈیم کی ڈیزائننگ، سیمنٹ، سریہ، بجری یہاں تک کہ انجینئرز تک سندھ سے لے لیں اور یہاں تک کہ کالاباغ ڈیم کا کنٹرول قیامت تک کے لیے سندھ کے کنٹرول میں دے دیا جائے لیکن خدارا اس منصوبے کو مکمل تو کر دو یہاں تک کہ بھٹو صاحب نے 1974ء میں واپڈا کو خط لکھ کر کہا تھا کہ ''میرا سندھ پیاسا ہے تم کب یہ کالاباغ ڈیم بناؤ گے''۔ پانی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ زراعت مٹی کے

بغیر تو ہو سکتی ہے لیکن پانی کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں 120 سے 130 ملین فٹ تک پانی دیتے ہیں اور ہم اپنی نالائقی کے سبب اُس سے 10 ملین سے 15 ملین ایکڑ فٹ تک تربیلا اور منگلا ڈیم میں بچا پاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن ہم سے یہ پوچھ لیا کہ تم تو میرے محبوب نبی ﷺ کے اُمتی تھے اور میں نے تمہیں 123 ملین ایکڑ فٹ پانی دیا تھا جبکہ تم نے اُس پانی میں سے صرف 12 سے 14 فیصد بچایا جبکہ تمہارے ساتھ ایک غیر اسلامی ملک بھارت تھا۔ جسے میں 700 ملین ایکڑ پانی دیتا تھا جس میں سے وہ اپنی ضرورت کا 40 فیصد ذخیرہ کرتا تھا۔ مجھے یہ بتا کہ تو نے کفرانِ نعمت کیا ہے یا اُس نے کفرانِ نعمت کیا ہے تو نے اپنی عقل استعمال کی ہے یا اُس نے عقل استعمال کی ہے تو اس روز ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔

سوال :صوبہ KPK کے بھائیوں کا ایک اعتراض ہے کہ ڈیم بننے کی صورت میں سارا پانی KPK میں سٹور ہوگا جبکہ ڈیم کے پاور ہاؤسز پنجاب میں بنیں گے۔ اس طرح رائیلٹی پنجاب کو ملے گی جس سے KPK کے عوام کی حق تلفی ہے؟

ابراھیم مغل: مالی مفادات کی جب جنگ آتی ہے تو اس سلسلے میں سندھ کے ایک پیپلز پارٹی کے ذمہ دار رُکن رفیق انجینئر نے یہ کہا تھا کہ کیونکہ کالا باغ ڈیم کی رائیلٹی پنجاب کو ملے گی لہٰذا ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس پر میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تھا کہ اگر پنجاب کے لوگ پیپلز پارٹی کو ووٹ دیتے ہیں تو انھیں سوچنا چاہیے کہ کہیں وہ نادانی تو نہیں کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے خیبر پختونخوا کے بھائی اس رائیلٹی کے خلاف ہیں تو ڈیم کی مخالفت کی بجائے اس فنانشیل ایشو پر بات کرنے اور اس حوالے سے اتفاق رائے قائم کرنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ 2010ء میں ہمارے ملک میں سیلاب کی صورت میں جو قیامت صغرا برپا ہوئی تھی۔ دریائے سوات، سوان، چترال اور دریائے کابل اِن چاروں دریاؤں نے اس موقع پر تباہی مچائی تھی۔ اگر کالا باغ ڈیم تعمیر نہ ہو سکا تو یہ چاروں دریا قیامت تک سیلاب کی صورت میں تباہی مچاتے رہیں گے۔ اگر کالا باغ ڈیم بنتا ہے تو لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ اور بجلی کے بلوں کی مد میں 133 ارب روپے کی بچت ہوگئی جو کہ یقینی طور پر ملک سے غربت کے خاتمے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی صاحب کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے جو اُنھوں نے 2010ء میں سیلاب آنے پر دیا تھا ان کا کہنا تھا کہ اگر آج کالا باغ ڈیم بنا ہوتا تو اتنی تباہ کاری نہ ہوتی۔ اس وقت تیل بیچنے والی کمپنیاں صحیح معنوں میں مالی فائدہ اُٹھا رہی ہیں تیل کی امپورٹ اس وقت 1100 ارب روپے تک پہنچ چکی ہیں۔ اگر کالا باغ ڈیم بنتا ہے تو اس سے 200 سے 400 ارب روپے کی تیل کی درآمدات کی مد میں فائدہ ہوگا اور 200 سے 300 ارب روپے کی بجلی کی پیداوار بڑھے گی اور پاکستان میں اس سے روزگار کے مواقع بڑھ جائیں گے۔ یعنی کالا باغ ڈیم صحیح معنوں میں پورے پاکستان میں ایک معاشی انقلاب لا سکے گا۔

سوال : کیا بھاشا یا کوئی اور ڈیم کالا باغ ڈیم کا متبادل ہو سکتا ہے اور اس بات میں کس حد تک صداقت ہے کہ پاکستان دشمن قوتیں کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرنے والوں کو باقاعدہ Funding کرتی ہیں؟

ابراھیم مغل : بھاشا ڈیم بننا چاہیے لیکن دریائے کابل کا ایک قطرہ بھی بھاشا ڈیم نہیں روک سکے گا کیونکہ بھاشا ڈیم اُس سے سینکڑوں فٹ اُونچا ہے۔ اسی طرح بھاشا ڈیم ایک قطرہ پانی دریائے سوات، سوان اور دریائے چترال کا بھی نہیں روک سکتا۔ یعنی اِن تمام دریاؤں کا پانی ضائع جائے گا۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ بھارت پہلے ہی افغانستان پہنچ چکا ہے لہٰذا وہ دریائے کابل پر ڈیم بنا کر افغانستان سے پاکستان کا پانی روکے گا۔ بھارت پہلے ہی پاکستان کا پانی روک کر ہم سے بغیر لڑے ہمیں شکست فاش دینے پر تلا ہوا ہے۔ ہمارے اصلی دشمن بھارت کے بارے میں سابق چیئرمین واپڈا جناب شمس الملک کا کہنا ہے کہ 12 ارب روپے بھارت ہر سال پاکستان میں ایسی لابیوں کو بھیجتا ہے جو کہ ہمارے ملک میں کالا باغ ڈیم کی مخالفت کے لیے کام کرتیں ہیں۔ اور جب یہ معاملہ انٹرنیشنل فورم پر جاتا ہے تو پاکستان یہ کہتا ہے کہ بھارت ہمارا پانی روک رہا ہے تو اس پر بھارت کہتا ہے کہ ان نالائقوں کا کیا کہنا۔ یہ تو اپنا سارا پانی سمندر برد کر دیتے ہیں میں تو اُس پانی کو روک کے انسانیت کی فلاح کے لیے استعمال کر رہا ہوں لہٰذا زیادہ اچھا کام میں کر رہا ہوں یا پھر یہ لوگ کر رہے ہیں۔

سوال : کالا باغ ڈیم طرز کے قومی ترقی کے اہم ترین منصوبوں کو متنازعہ کیوں بنا دیا جاتا ہے؟ موٹر وے کی تعمیر سے پہلے بھی اس پراجیکٹ پر بہت تنقید کی گئی تھی اسی طرح آج کل (Rapid Transport System) کے منصوبے پر خوب تنقید کی جا رہی ہے؟

ایوب بیگ مرزا : آپ کے سوال کی اصل وجہ تلاش کرنے کے لیے ہمیں تھوڑا سا ماضی میں جانا پڑے گا۔ آپ دیکھیں کہ پاکستان کی بنیاد کیا تھی۔ اگرچہ انکار کرنے والے اپنی ڈھٹائی کی وجہ سے کچھ اور ہی کہتے ہیں لیکن حقیقت میں اس کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ تھی۔ اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو ایک بنگالی کا ایک پٹھان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک پنجابی کا سندھی یا سندھی کا بلوچی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اِن سب کی ایک دوسرے سے نہ بود و باش ملتی ہے اور نہ ہی ان سب کی زبانیں ایک دوسرے سے میل کھاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر یہ کیوں ایک ہوئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم نے پاکستان قومیت کی نفی کر کے حاصل کیا تھا اور کہا تھا کہ اس ملک پاکستان میں دین بنیاد بنے گا۔ یعنی ایک قوم ہونے کی بنیاد دین اسلام ہے۔ جب ہم نے اس نظریہ سے انحراف کیا تو آج جو کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے وہ ایک فطری سی بات ہے۔ جیسے دو اینٹوں میں سے سیمنٹ نکل جائے تو دونوں اینٹیں یا کم از کم ایک اینٹ یقینی طور پر اس میں سے نکل جاتی ہے۔ جب ہم نے لا الٰہ الا اللہ کا سیمنٹ نکال دیا تو اب ایک پنجابی اپنے صوبے یا اپنی قوم کے حوالے سے سوچتا ہے۔ اسی طرح ایک پٹھان ایک پختونخوا بن کر سوچتا ہے۔ اسی طرح سندھی اور بلوچی کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اب ہم ایک قوم سے ہٹ کر مختلف قومیتوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ کیونکہ جب آپ دین سے نکلتے ہیں تو آپ کی نظر فرائض سے ہٹ کر حقوق پر لگ جاتی ہے۔ ہم میں سب سے بڑا تضاد یہ ہے کہ جس چیز کو ختم کر کے ہم نے یہ ملک بنایا تھا آج دوبارہ سے اُس چیز کو ہم نے قائم کر لیا ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ پاکستان نام کی کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں بن سکے گی جب تک دین اس کی بنیاد میں شامل نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم نے نظریۂ پاکستان سے عملاً انحراف کیا تو سوچ کا محور دنیوی معاملات بن گئے لہٰذا ترجیحات تبدیل ہو گئیں۔ اب ذات، برادری، قبیلہ اور صوبہ کو قوم اور ملک پر ترجیح ہے۔ لہٰذا آخری اور حتمی بات یہ ہے کہ جب تک ہم وطن عزیز میں اسلام کو بحیثیت دین نافذ نہیں کرتے، لسانی اور صوبائی بنیادوں پر مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔ لہٰذا کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنایئے، یہ سب مسائل حل ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ!

(مرتب: وسیم احمد/محمد بدر الرحمٰن)

ضرورت رشتہ

لڑکی، عمر 28 سال، تعلیم بی اے، خوب سیرت وصورت، صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لیے دینی گھرانے سے پڑھے لکھے باروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0332-4337258

حضرت صہیب رُومی رضی اللہ عنہ

فرقان دانش

حضرت صہیب ؓ بن سنان کا شمار حضرت بلال، حضرت عمار، اور حضرت خباب ؓ جیسے عظیم المرتبت صحابہ کی صف میں ہوتا ہے۔ یہ حضرت سابقون الاوّلون کی اس مقدس جماعت میں شامل تھے جنہیں اسلام قبول کرنے کے بعد مشرکین مکہ کے ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت صہیب ؓ بھی عرصہ تک ان کے مشقِ ستم کا نشانہ بنتے رہے۔

حضرت صہیب ؓ عراق کے کسی دیہات کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام سنان بن مالک اور والدہ کا اسم گرامی سلمٰی بنتِ قعید تھا۔ صہیب ؓ ابھی کم سن ہی تھے کہ رومیوں نے عراق کے اس علاقے پر حملہ بول دیا جس کا نام اُبلّہ تھا۔ غالباً سنان خاندان اسی علاقے میں مقیم تھا۔ رُومی لشکر دوسرے مال و اسباب کے ساتھ صہیب اور بہت سے لوگوں کو پکڑ کر لے گئے۔ چنانچہ آپؓ نے لڑکپن سے جوانی کا زمانہ رومیوں کی غلامی میں گزارا، اسی لیے رُومی مشہور ہوئے۔ ایک دفعہ بنوکلب کا ایک قافلہ تجارت کی غرض سے روم گیا تو وہاں سے صہیب ؓ کو خرید کر اپنے ساتھ مکہ لے آیا۔ یہاں انہیں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ صہیب ؓ ایک ہنر مند اور محنتی آدمی تھے۔ انہوں نے محنت کر کے کچھ عرصہ میں اتنا مال کما لیا کہ صاحب ثروت لوگوں میں شمار ہونے لگے۔

جب نبی اکرم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت صہیب ؓ نے حضرت ارقم ؓ کے مکان پر حاضر ہو کر کلمۂ شہادت پڑھا۔ حضرت صہیب ؓ اور حضرت عمار بن یاسر ؓ نے ایک ہی دن اسلام قبول کیا۔ اس وقت تک صرف تیس افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت صہیب ؓ نے ایک دن بھی اپنے ایمان کو مخفی نہ رکھا۔ کفار کو پتہ چلا تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور انہیں نت نئی اذیتیں دینا اپنا مشغلہ بنا لیا۔ کبھی انہیں گرم ریت پر لٹایا جاتا، کبھی پانی میں غوطے دیتے اور کبھی مار مار کر لہولہان کر دیتے۔ ایک لمبے عرصہ تک مظالم کا یہ سلسلہ جاری رہا لیکن آپؓ حق پر قائم رہے، جب یہ مظالم حد سے بڑھ گئے تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ اکثر صحابہ کرامؓ ہجرت نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے ہی مدینہ منورہ چلے گئے۔

تاہم حضرت صہیب ؓ مکہ ہی میں مقیم رہے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ ہجرت میں نبی اکرم ﷺ کی معیت کا شرف حاصل کریں۔ بعد میں حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے خفیہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اب حضرت صہیب ؓ کے لیے مکہ میں ایک دن کاٹنا بھی مشکل ہو گیا۔ چنانچہ چند دن بعد وہ بھی مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مشرکین مکہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے پیچھا کیا اور حضرت صہیب ؓ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، حضرت صہیب ؓ نے اپنی کمان پر تیر چڑھا کر کہا:

"تم خوب جانتے ہو کہ میرے تیر کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ خدا کی قسم تم میرے قریب نہیں پہنچ سکتے جب تک میرے تمام تیر ختم نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد میں اپنی تلوار سے لڑوں گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میرا پیچھا چھوڑ دو اور واپس لوٹ جاؤ۔"

مشرکین نے کہا "صرف اس شرط پر تم جا سکتے ہو کہ اپنی ساری دولت ہمارے حوالے کر دو۔"

حضرت صہیب ؓ نے نہ صرف تمام مال وزر ان کے سامنے ڈال دیا بلکہ مکہ میں جس جگہ اپنا مال چھپا آئے تھے وہ جگہ بھی انہیں بتا دی، اور خود خالی ہاتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت صہیب ؓ مدینہ پہنچے تو آپؐ اس وقت صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ قبا کے مقام پر مقیم تھے۔ حضرت صہیب ؓ کے قبا پہنچنے سے پہلے ہی ان کی شان میں یہ آیت نازل ہو چکی تھی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ (۲۰۷)﴾ (البقرہ)

"اور کوئی شخص ایسا ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔"

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت صہیب ؓ کو دیکھتے ہی ارشاد فرمایا: ((رَبِحَ صُهَيْب رَبِحَ صُهَيْب))

"صہیب ؓ نے تجارت میں بہت نفع کمایا۔"

حضرت صہیب ؓ یہ سن کر مسرور ہوئے، اس وقت ان کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں۔ تاہم وہ بھوک اور تکان سے نڈھال تھے۔ انہوں نے فوراً نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے سامنے رکھی کھجوریں تناول کرنا شروع کر دیں۔ چونکہ آشوبِ چشم میں کھجور کھانا مضر ہوتا ہے، لہٰذا حضرت عمر فاروق ؓ نے حیران ہو کر کہا: "یارسول اللہ ﷺ ان کی فلاں آنکھ دکھ رہی ہے اور یہ کھجوریں کھا رہے ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ نے انہیں مخاطب ہو کر پوچھا: "سبحان اللہ تمہاری آنکھ آئی ہوئی ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو۔"

حضرت صہیب ؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ میں اس آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں جو تندرست ہے۔"

ان کا جواب سن کر سرورِ عالم ﷺ کا چہرہ مبارک کھِل اٹھا اور آپؐ کے دندانِ مبارک کا نور ظاہر ہونے لگا۔

چند ماہ بعد نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی تو حضرت صہیب ؓ کو جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید حارث ؓ کا اسلامی بھائی بنا دیا۔ غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت صہیب ؓ نے بدر سے تبوک تک تمام معرکوں میں سرور عالم ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ وہ تیر اندازی اور تیغ زنی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ تمام معرکوں میں اپنی شجاعت کا لوہا منوایا اگر کسی ایسے دشمن کا سامنا ہوتا جو سر سے پاؤں تک زرہ پوش ہوتا تو اس کی آنکھ کا نشانہ لے کر تیر مارتے اور تیر اس کی آنکھ میں پیوست ہو جاتا۔ رحمت عالم ﷺ بھی ان کے اخلاص اور بہادری کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا:

"صہیب ؓ اچھے انسان ہیں۔ اگر انہیں اللہ کا خوف نہ بھی ہو تو یہ معیت نہ کریں۔" (صحیح مسلم)

(باقی صفحہ 10 پر)

سقوطِ ڈھاکہ اور تاریخ کا سبق

محمد سمیع

تاریخ کا سبق یہ ہے کہ لوگ تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتے۔ قیامِ پاکستان کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ تحریک پاکستان کی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا اگر اس میں اسلام کا انجکشن نہ لگتا جسے علامہ اقبال نے لگایا تھا۔ ہماری سیکولر لابی کا کہنا یہ ہے کہ تحریک پاکستان اس لئے چلائی گئی تھی کہ انگریزوں سے متحدہ بھارت کی آزادی کی صورت میں مسلمانانِ ہند پر ہندوؤں کا معاشی و سیاسی غلبہ ہو جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک پاکستان میں یہ عنصر بھی شامل تھا' لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا اس عنصر میں اتنی قوت تھی کہ وہ لسانی، علاقائی اور مذہبی گروہوں میں منقسم مسلمانانِ ہند کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرسکتا؟ اگر ایسا ہوتا تو تحریک پاکستان کے دوران ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' اور ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!'' جیسے نعرے کی ضرورت نہ تھی۔ کیا آپ کو تحریک پاکستان کے دوران کوئی ایسا نعرہ نظر آتا ہے جو ہندوؤں کی بالادستی کے اندیشے کے حوالے سے لگایا گیا ہو؟ تحریک پاکستان میں جان ہی قائداعظم کے اسلام کے حوالے سے کی جانے والی تقاریر سے پڑی۔ لہٰذا تاریخ کا سبق یہ تھا کہ ہم اس قوت کو قیامِ پاکستان کے بعد بھرپور طور پر بروئے کار لاتے۔ اس کا تقاضا تھا کہ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد یہاں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا نفاذ کر دیا جاتا۔ اس وقت قوم میں دینی جذبہ موجود تھا اور ان کے اذہان میں وہ سب الجھنیں نہ تھیں جو آج اسلام کے حوالے سے پیدا کر دی گئی ہیں۔ لیکن ہم نے تاریخ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ ہمارے اُس وقت کے قائدین نے چونکہ پاکستان جمہوریت کے ذریعے حاصل کیا تھا، لہٰذا اسی نظام کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ تو طے ہے کہ پارلیمانی نظامِ جمہوریت کے ذریعے اسلام کے اصول حریت واخوت ومساوات پر مبنی نظام کی منزل حاصل ہونا ممکن ہی نہیں، کیونکہ اسلامی نظام میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور حکمرانِ وقت بحیثیت اس کے نائب کے اس کے احکامات نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ جبکہ جمہوری نظام خواہ پارلیمانی ہو یا صدارتی، اس میں بالادستی پارلیمنٹ کی ہوتی ہے اور پارلیمنٹ کسی کی بالادستی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔ اس کا مظہر آج کل عدلیہ اور انتظامیہ کے درمیان اختلاف کی صورت میں نظر آرہا ہے۔ ہم قرآن وسنت کی ہر سطح پر ملک میں بالادستی لانا چاہیں تو اس کے لئے بھی پارلیمنٹ میں ایک بل لانا پڑے گا جس کی منظوری ممکن نہیں۔ ہر سطح پر بالادستی کا مطلب پارلیمنٹ پر بھی بالادستی ہے جو ہمارے پارلیمنٹیرینز کو ہرگز گوارا نہیں۔

چلئے، تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ ہمارے قائدین کو پارلیمانی جمہوری نظام ملک کے لئے موزوں لگا تو یہ بتایا جائے کہ کیا کبھی اس نظام کو اس کی اصل صورت میں چلایا گیا؟ ہمارے ملک کی تاریخ شاہد ہے کہ نام ہمیشہ پارلیمانی نظام کا لیا گیا لیکن عملاً صدارتی نظام ہی جاری رہا ہے۔ فوجی حکومتوں کو تو چھوڑیں، وہ تو ہوتی ہی ڈکٹیٹرز یعنی مطلق العنان جنرلز کی ہیں، سول حکومتوں کے دوران بھی ہمیشہ سارا اختیار فردِ واحد میں سمٹا رہا خواہ وہ وزیراعظم ہو یا صدرِ مملکت۔ آج بھی ہمارے صدرِ مملکت یہ کہتے نہیں تھکتے کہ انہوں نے اپنے سارے اختیارات وزیراعظم کو سونپ دیئے ہیں، لیکن سارے امورِ مملکت بحیثیت پارٹی سربراہ کے وہ خود نمٹاتے ہیں۔ اس دوعملی کے نتیجے میں قیامِ پاکستان سے اب تک بیشتر عرصے ہمارے ہاں فوجی حکومتیں قائم رہیں۔ خواہ فوجی ڈکٹیٹرز میں سے کوئی بھی صوبہ پنجاب کا نہ رہا ہو، لیکن فوج میں اکثریت تو پنجاب سے تعلق رکھنے والوں کی ہے۔ لہٰذا ایک تو جمہوری نظام کو اس کی اصل شکل میں نہ چلائے جانے اور دوسرے فوجی حکومتوں کے جاری رہنے کے نتیجے میں، خواہ عوام کا سیاسی اور معاشی استحصال مختلف طبقات نے کیا ہو، الزام تو ہمیشہ صوبۂ پنجاب پر آتا ہے۔ ایسی صورتحال میں جب عوام کی اکثریت مشرقی پاکستان سے تعلق رکھتی تھی، وہاں عوامی شورش کے دوران یہ بات کھلے عام کہی گئی کہ ہمیں بھارت کی غلامی قبول ہے، پنجاب کی نہیں! اس سے ان کے فرسٹریشن کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اور اب تو ''ایک تو کریلا اوپر سے نیم چڑھا'' کے مصداق پنجاب کو عوام کی اکثریت بھی حاصل ہے اور فوج کی قوت بھی۔

سقوطِ ڈھاکہ سے بھی ہم نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ اس سانحے کے صرف چھ برس بعد ایک بار پھر فوج کا اقتدار پر قبضہ ہو گیا اور صرف ایک بار نہیں بلکہ دو بار۔ اب عدلیہ کی جانب سے یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ ہم نے نظریۂ ضرورت کی تھیوری کو دفن کر دیا ہے۔ اب کوئی غیر آئینی طور پر حکومت پر قابض نہیں ہوسکتا۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ 1973ء میں دفعہ نمبر 6 ڈالنے کے بعد بھی ایسا ہی دعویٰ کیا گیا تھا، لیکن جو ہوا وہ ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ ہم نے فوجی حکومت کے دور میں مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کا نتیجہ دیکھ لیا۔ اس کے بعد بھی فوجی آپریشنز نہ صرف فوجی بلکہ سول حکومت کے دور میں بھی جاری رہے اور آج بھی قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں یہی صورتحال ہے، اور اب کراچی میں بھی فوجی آپریشن کی بات ہو رہی ہے۔ کاش کہ ہمارے حکمرانوں کو کوئی اس حقیقت سے آگاہ کرے کہ فوج کا کام دشمن کی افواج کے خلاف آپریشن کرنا ہے نہ کہ اپنے ہی عوام کے خلاف، خواہ عوام کا کوئی طبقہ علیحدگی پسندی کی طرف ہی کیوں نہ مائل ہو گیا ہو۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی پشت پر بظاہر روس اور بھارت تھے لیکن دراصل امریکہ بھی اس گٹھ جوڑ میں شامل تھا۔ جبھی امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ زوردار پروپیگنڈے کے باوجود خلیج بنگال تک نہ پہنچا اور مشرقی پاکستان کا سورج بوڑھی گنگا میں ڈوب گیا۔ گویا وہاں کے مشہور محاورے کے مطابق ''پاکستان کو بنگال کا ہائی کورٹ'' دکھا دیا گیا۔ کسی کو فریب دیئے جانے پر وہاں یہی محاورہ استعمال ہوتا تھا۔

پاکستان سے علیحدگی کے بعد بنگلہ دیش خورشید تاباں بن کر طلوع ہوا۔ جی ہاں! اگر ہم پاکستان اور بنگلہ دیش کا موازنہ موجودہ حالات کے تناظر میں کریں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بنگلہ دیش کے خورشید کی تابانی ہماری آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی ہے، کیونکہ ہم تو ان کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو بابو لوگ ہیں، ان سے

We would have been definitely rid off the menace of IMF and World Bank Loans and things like aids, the real 'AIDS.'

WAY TO CONSENSUS

- A series of inter-provincial dialogue should be initiated on the subject under the aggie of the Federal Government. These meetings should be attended by the highly expert engineers, agrarian experts and economists of known integrity and experience along with representatives of politicians from various political parties from all the provinces.
- Retired bureaucrats, judicial experts and retired military personalities of the known competence who have a deep insight on the national issues should also be invited to these conferences to give their opinion on the subject.
- Engineers from Egypt, Turkey, Iran and China may also be invited to help the local team of engineers to give their views after through study, and give their report on all technical aspects with special reference to the possible damage that is likely to occur to the KPK and Sind provinces.
- These meetings should also be attended by the representatives of the potential donors who will be financing the project.
- Since the project will be directly benefiting Punjab, no doubt, this should be negotiated before hand that the effected provinces i.e. the KP and Sindh (as per apprehensions) must be compensated by fixing a handsome share in the royalty of the dam. If need be legislation should be done for this provision to allow share in the royalty to other provinces.
- It is also suggested that alongside the above proposals the past records of all figures and fact of WAPDA be revisited to draw conclusions with an unbiased approach. This will definitely tell what is to be done and how to. This data may testify that there can be no substitute to the proposed dam at Kalabagh no matter how many small dams and dam like the one proposed at Bahash (very doubtful) are built. Our serious problem is not only electricity and irrigational water but also efficient measures to tame the devastating floods during summer that occur regularly, mostly affecting Southern Punjab and Sindh.

In case the dam is feasible from technical point of view and there is no damage to any province including KPK, then its construction be considered in view of its importance to the future of Pakistan.

Despite all this, if there is still conflict of opinions, then a national referendum should be held on the issue to decide it once for all.

Issues are resolved through dialogue and discussions and listening to the viewpoints of others with patience and not with threats and maligning others and national institutions in the press conferences, media and public and political meetings. It is a national issue and should be treated through national approach and resolved in the best interest of the country.

ملک کیسے سنبھالا جائے گا؟ شروع میں ان پر بھی فوجی آمروں کی یلغار رہی لیکن انہوں نے فوجی ڈکٹیٹر کو قرار واقعی سزا دی اور وہاں جمہوریت کی پوزیشن ہم سے بہتر ہے، جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری عدالت نے دو فوجی جنرلز کو مجرم قرار دے دیا ہے لیکن اس کے باوجود ہماری حکومت کا کہنا ہے کہ ہم نے اصغر خان کیس کو دفن کر دیا ہے۔ حکومت یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ وہ مبینہ طور پر ملوث سیاستدانوں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لینا چاہتی لیکن عوام کو پتا ہے کہ وہ اس کیس کو کیوں دفن کرنا چاہتی ہے۔

کراچی کی سب سے بڑی سیاسی جماعت پر پہلے ہی جناح پور قائم کرنے کے عزم کا خدشہ ماضی میں ظاہر کیا جا چکا ہے اور بلوچستان کے بارے میں ''جلتا سلگتا بلوچستان'' کے عنوان پر سب متفق ہیں۔ اور ہمارے دشمن آج بھی علیحدگی پسندوں کی حمایت پر مستعد ہیں۔ لیکن ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔ ہمارا دینی طبقہ اس بات پر متفق ہے کہ پاکستان کا قیام اسلام کی بنیاد پر ہوا اور اس کے بقا و استحکام کا دارومدار بھی اسلام کے نظام عدل کے نفاذ پر منحصر ہے۔ لیکن پھر اِس نظام کے لئے متحد ہو کر تحریک چلانے یا پریشر گروپ بنانے کو تیار نہیں اور انتخابات کے ذریعے اُن کا اقتدار حاصل کرنے کے دور دور تک امکانات نہیں۔ اگر ہم نے وطن عزیز کو اسلام کی منزل سے ہمکنار کرنے کی مل جل کر کوشش نہ کی تو العیاذ باللہ، اس کا وجود بھی باقی نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ مملکت ایک امانت کے طور پر عطا کی تھی اور ہم اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ سے گریز کر کے اس امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ خیانت نفاق کی علامتوں میں سے ایک ہے اور چشم بینا رکھنے والوں کو منافقت کے مظاہر وطن عزیز میں چار سو نظر آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر بھی اشیاء کی حقیقت واضح فرمائے جیسی کہ وہ ہیں اور وطن عزیز کی حفاظت فرمائے۔ آمین!۔

mathematician Allama Al-Mashriqui, that the West Pakistan (now Pakistan) is going to change into desert if we did not go on priority to construct dams to store our water wasted. That warning is coming true with the passage of time. India is stealing our water for the scores of her dams to be fed from our flows. We were not able to go a step forward in right direction to make this God-gifted country a welfare state to be run under the system of justice for all people, and in every sphere of life. Realistic analysis will indicate that we are heading towards disruption at all levels. The major reason to these failures is our political shortfalls where the political parties could not deliver simply because their leaders lacked the vision to see that the national interest are over and above every thing else. We were required to have resolved at the very outset the problems like agrarian reforms, the restructuring of the provinces and the issues like construction of dams particularly the KBD. Almost all technical experts and engineers including those of the KPK are one voice that the dam is feasible and there is no risk to any district of the province. They are the ones who understand the importance of this highly complex project. They have rejected the apprehensions of any hazards to occur from the proposed dam.

If we had had this dam as a result of the decision made at the forum of CCI in 1991, we would have been reaping its fruit in the following shape, after its completion some where at the end of the previous century.

1. We would have no hours long power load shedding menace and would have been self sufficient in electricity, food grain and irrigational water. A great harm was done to the national interest when the ruler took a step against the CCI decision of 1991.
2. We would have been able to store the amount of water of 6.1maf (million acre-feet) for which the dam is designed, during summer to be released into the rivers during winter when the natural flow of water is very low. We would have been able to irrigate additional plus 4 million acre of land bringing additional huge quantities of food grain particularly wheat. It would have made us a country surplus in wheat and vegetable and other winter crops.
3. The powerhouse run by this water will have produced 3600 mwt (mega watt) electricity to be more than sufficient from national requirements. The charge per unit would have come down from Rs.16/= to Rs.1/= per unit and every citizen would have relaxed as he could easily afford the utility bill.
4. According to the distribution formula of the water, each province would have been satisfied with its share of water. Sindh, which is wrongly being portrayed to be damaged from the dam, would have received its 37% share that makes 2.2 million acre feet water.
5. The colossal damage the country suffered as a result of the 2010 floods and some in 2011 would have been very minimum almost nominal if we had the KBD. It would have stored the floodwater to be released according to adjustment later on.

Contrary to this view that KBD will create hatred amongst the people of the provinces, a different opinion is that it will strengthen relation between them since the dam will bring self-sufficiency in food, power and irrigational water. All provinces will be benefited from these dividends with the result that a harmony and goodwill be promoted among the people of the provinces. The hue and cry on the decision of the Lahore High Court is unwarranted since the people have no alternative except to revert to the courts in case their rights are forfeited by the politicians. The common man is suffering and he has to look for something that can alleviate his agonies. That is why the door of Lahore High Court was knocked at by some patriot people for this purpose. It is wrong that some politicians from our province should malign the courts in their press conferences. Courts never make decisions based on provincialism. The Lahore High Court has validated the decision of the CCI, arrived at in 1991. If the government of that time had taken the dam construction in hand it would have been completed by 98-99 and the country would have come out of all economic problems.

Muhammad Faheem

POLITICIZING THE "KALABAGH DAM" ISSUE

The Kalabagh Dam issue is neither political nor provincial but it is a national issue and of concern to the whole nation in one way or the other. It has been turned into a political plethora because the political parties have failed to deliver. The politicians play politics on this issue. Some of the political parties have been expressing their resentment to the extent that they will bomb the dam it was ever built. The argument that three provinces have voted against the dam requires an unbiased assessment. There has never been an exhaustive dialogue of technical nature on the issue at the national level where politicians can prove themselves to be on the relevant side. The main plea for the unacceptability of the dam is the presumed possibility of the inundating of two districts of the KPK. Arguably, such presumptions are to be ascertained mathematically by the technical experts of the subject. Any such exercise has never been done and most of the experts are disapproving these apprehensions and consider them to be politically motivated. It does not make sense to announce every time, "Dam will be built on our dead bodies". We should be very much realistic in our approach to important national issues. Unfortunately, the veracity and sagacity of our parliamentarians, with exceptions, has never been of any marked credibility to accredit their assertions on issues like the KBD. We are being betrayed by the so-called democracy which suggests to us that people in the parliament are representing the aspirations of the common masses. It may be true in case of other countries but in our case, it is not. The 65 years political history of the country testifies that a bunch of particular families have been ruling this country through the tactics of illusive democratic process. The game of votes has empowered the plunderers, the capitalists, the absentee landlords, the industrialists, the chaudhries, the waderas, the Khans, the sardars, the peers and the makhdooms who share the common trait of serving self interest rather than the country and the nation. This is a class of exploiters who would never allow anything that goes in favor of the common people. Power politics are their inherited game and it goes continued in the same families, passing on from fathers to sons and grandsons and so on. Exception to this phenomenon, are few political parties where the common people of Pakistan are represented. The joining of some siblings of these traditional Khans and landlords the party of Imran Khan, a commoner and then quickly flying back to their old nests clearly signifies how this exploitative group is polarizing against any political force which is not of their kin and where common public is represented. The game is on in the name of Pakhtoons and in the name of poor. During the 5 year rule of this class the bread loaf has been taken away from the poor through cruel plunder and corrupt governance. The masses are being made beggars through the alms in the name of Banazir, distributing the national wealth to ensure votes from the people and providing a chance to the Jiyalas to make their fortunes out of this loot. These are few glimpses of the type of politicians ruling us. How can we expect that they will do any fair decision in keeping their politics aside and weigh the plus and minuses of the Kalabagh dam viz-a-viz national interest?

Unfortunately, the military dictators, who ruled this country for more than half of its life, could also not take a bold step to take in hand the Kalabagh Dam. The reason was that the dictators themselves started politics and joined the club. The two army dictators Zia and Musharraf could easily construct the dam but they started their own political games. No one could resist them if they had taken the project in hand.

Decades ago we were warned by a renowned